عدل

اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمّہ داری

عرفان حسن صدیقی

عدل

اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمّہ داری

عرفان حسن صدیقی

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡهِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (الانبیاء ۲۱: ۱۰)
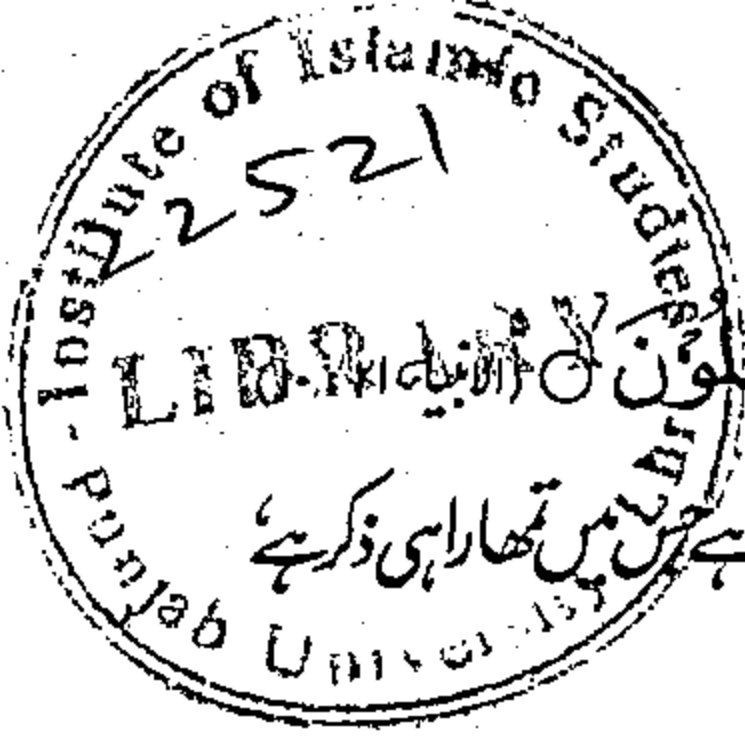
اے بنی نوع انسان! ہم نے تمھاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمھارا ہی ذکر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔

بَلۡ اَتَیۡنٰهُمۡ بِذِکۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِکۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ○ (المؤمنون ۲۳: ۷۱)

نہیں، بلکہ ہم ان کا اپنا ذکر اُن کے پاس لائے ہیں اور وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔

اپنے رب کو عبادت سے،
اس کے رسولؐ کو اطاعت سے،
اور اس کے بندوں کو خدمت سے
راضی کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب　　گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

(علامہ محمد اقبالؒ)

نمبر شمار	فہرست ابواب	صفحہ نمبر

FAZAL SALMAN TRUST FOR RESEACH ON QURAN-E-HAKIM

فضل سلمان ٹرسٹ کا بنیادی مقصد قرآن حکیم کی تعلیمات جدید زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنا ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ حتمی ہدف قرآن حکیم کا ایک ایسا Subject Wise Index (اشاریۂ) مرتب کرنا ہے تاکہ ایک ہی نظر میں معلوم ہو جائے کہ رب علیم و حکیم نے انسان کی دینوی واخروی زندگی کی فلاح کے لئے کیا کیا احکامات و ہدایات اپنی کتاب میں کس کس جگہ پر دے رکھی ہیں اس سلسلے میں تقریباً ۱۵۰۰ موضوعات منتخب کر لئے گئے ہیں۔ ان موضوعات پر تحقیق مکمل کر لی گئی ہے صرف مرتب کرنا باقی ہے جو بجائے خود ایک بڑا کام ہے۔ اس تحقیق میں مندرجہ ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے جو تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کرتی ہیں۔

(۱) تفسیر موضح قرآن — شاہ عبدالقادرؒ

(۲) ترجمان القرآن — مولانا ابوالکلام آزادؒ

(۳) تفسیر ماجدی — مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ

(۴) تفسیر بیان القرآن — مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۵) تفسیر تفہیم القرآن — مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(۶) تفسیر معارف القرآن — مفتی محمد شفیعؒ

(۷) تفسیر بیان القرآن — مولانا محمد علی صاحب

(۸) تفسیر تدبر قرآن — مولانا امین احسن اصلاحی صاحب

(۹)	تفسیر ضیا القرآن	پیر کرم شاہ صاحب
(۱۰)	تفسیر فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ
(۱۱)	تفسیر مفہوم القرآن اور مطالب الفرقان	غلام احمد پرویز صاحب
(۱۲)	تفسیر نمونہ	(زیر نگرانی) ناصر مکارم شیرازی صاحب

حتمی ہدف کی راہ میں چند رکاوٹیں تھیں اس لئے فوری منصوبے کے تحت مندرجہ ذیل کتب ایک ایک کر کے پیش کی جا رہی ہیں جن کا مواد اس تحقیق شدہ مواد ہی سے لیا گیا جو ۱۵۰۰ قرآنی موضوعات پر اکٹھا کیا گیا ہے۔

(۱) دعا

(۲) عدل

(۳) قرآن حکیم کی اخلاقی تعلیمات

(۴) قرآن حکیم کی معاشرتی تعلیمات

(۵) قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات

(۶) قرآن حکیم کی معاشی تعلیمات

(۷) قانون اسلام

اس سلسلۂ تحقیق کی پہلی کتاب "دعا" مئی ۱۹۹۲ء میں فیروز سنز نے شائع کر دی تھی اب ترتیب کے لحاظ سے دوسری کتاب "عدل" پیش خدمت ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں سلمان حسن صدیقی مرحوم اور فضل الرحمٰن مرحوم کو ضرور یاد رکھیں اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں۔

خدائے عز و جل کے حضور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا ہے کہ وہ نیک مقاصد جو ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں اپنی توفیق و برکت سے بڑھوتی عطا فرمائے۔ آمین۔ یا رب العالمین۔

اس کتاب سے استفادہ کرنے کا طریقہ

اس کتاب میں قرآن حکیم کی آیات کے حوالہ جات اس طرح دیئے گئے ہیں:۔
(۲ : ۲۰۰) یا (۱۷ : ۴۵) یا (۵۵ : ۱۰)، جن کو اس طرح سمجھئے۔ داہنی طرف کے ہندسے کا مطلب ہے سورہ کا تدریجی نمبر یعنی جس ترتیب سے وہ سورہ قرآن حکیم میں رکھی گئی ہے۔ پہلے حوالہ میں سورہ البقرہ (۲) مراد ہے، دوسرے حوالے میں سورہ بنی اسرائیل (۱۷) مراد ہے اور تیسرے حوالے میں سورہٗ رحمٰن (۵۵) مراد ہے۔ بائیں طرف کا حوالہ سورہٗ کی آیات کا ہے یعنی اوپر کے تین حوالوں میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۰۰، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۴۵ اور سورہ رحمٰن کی آیت نمبر ۱۰ مراد ہیں۔ اگر حوالہ اس طرح ہو کہ (۱۶ : ۱۰ ـ ۱۵ ـ ۴۰) تو مراد ہو گی سورہ نحل کی آیات ۱۰، ۱۵ اور ۴۰۔

اس کتاب "عدل" میں دیئے گئے سینکڑوں حوالہ جات کو اگر عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ دیا جاتا تو کتاب کی ضخامت کئی گنا بڑھ جاتی اس لئے صرف حوالہ جات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس کتاب سے استفادہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے دوران قرآن حکیم کا کوئی بھی باترجمہ نسخہ ساتھ رکھ لیں اور حوالہ جات کو نکال کر پڑھتے جائیں اور ساتھ ہی مطلوبہ آیت کا سیاق و سباق بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ اس طرح ان شا اللہ تعالیٰ آپ میں بھی تحقیقی ذوق پیدا ہو گا اور آپ کو بھی قرآن حکیم کے مطالعے کا سرور آئے گا۔ خدائے علیم و حکیم کے اس کلام پاک پر آپ کی روح بھی وجد میں آئے گی اور جذبات عالیہ کا ایک طوفان موج زن ہو گا جو کبھی آنسو لائے گا تو کبھی کوئی چیز عقل و فکر کو

مسخر کر کے قلب و جگر میں سکنیت لائے گی۔

ان شاءاللہ تعالیٰ جب یہ صورت حال پیدا ہو گی تو قرآن مجید آپ کے لئے محض ایصال ثواب کے لئے پڑھنے والی اور خوش نما گرد پوش میں کسی اونچی جگہ سجا رکھنے والی کتاب نہ رہے گی بلکہ آپ کا دل بھی اس کتاب کو اپنی عملی زندگی کے ہر شعبے میں استعمال کرنے کا چاہے گا۔ یہاں تک کہ آپ کی عملی زندگی ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی قرآنی اخلاق کا نمونہ بنتی چلی جائے گی۔ اس کتاب میں اگرچہ صرف عدل سے متعلق قرآنی آیات ہیں لیکن میں یقین واثق سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ خود اس جستجو میں لگ جائیں گے کہ خدائے حکیم و عزیز نے زندگی کے دیگر تمام شعبوں کے متعلق کیا کیا احکام دے رکھے ہیں۔

میری صمیم قلب سے دعا ہے کہ قرآنی مطالعے کے اثرات کی جو تصویر میں نے اوپر دکھائی ہے، ہر مسلمان اس کا زندہ جاوید پیکر بن جائے۔

آمین۔ ثم آمین۔ یارب العالمین

طالبین دعا

تبسم علی اور عرفان حسن صدیقی

چند الفاظ

زیر نظر سلسلہ کتب کی پہلی کتاب "دعا" تھی۔ اس کام کا آغاز "دعا" سے کیا گیا تھا اور یہ ہی درست تھا۔ رب علیم و حکیم کی دین کی خدمت کی ابتدا "دعا" ہی سے ہونی چاہئے تاکہ یہ قبول بھی ہو اور حق تعالیٰ کی توفیق و برکت بھی شامل حال رہے۔ "دعا" کے بعد اسلامی تعلیمات کے اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں پر الگ الگ کتابیں لکھنے کا منصوبہ بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن درمیان میں "عدل" کا موضوع شاید کچھ لوگوں کے نزدیک بے محل ہو، اس لئے وضاحتاً عرض ہے کہ اس موضوع پر لکھنے کی تین وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہماری اس دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ظلم و فساد کی عمومی اور مسلمانوں کی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی زندگی میں پائے جانے والے ظلم و فساد کی خصوصی وجہ سواء السبیل (مائدہ ۵: ۱۲) سے ہٹ جانا ہے۔ ہم نے ہر شعبہ زندگی میں افراط و تفریط کا راستہ اپنا لیا ہے اس لئے زیر نظر کوشش کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عدل و انصاف اور قسط کی راہ کیا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں افراط و تفریط کی راہ چھوڑ کر اعتدال و توازن اختیار کرنا ہی انسان کے لئے دنیوی و اخروی فلاح کا واحد راستہ ہے۔ اس کائنات کی تخلیق و تدبیر میں خالق حقیقی کا بے مثال عدل کار فرما ہے، اس لئے کائنات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ غیر عادلانہ رویہ یہاں ظلم و فساد کو جنم دیتا ہے۔ چنانچہ ابواب ۱ تا ۷، ۱۰، ۱۱ اور ۱۵ میں ہم نے کوشش کی ہے کہ رب بزرگ و برتر کے عادلانہ احکام کو پیش کیا جائے تاکہ سواء السبیل کی اہمیت کے ساتھ اس کی ضرورت بھی واضح ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے کا طریق عدل اس کے مجموعی نظام کا سب سے بڑا محافظ اور اس نظام کی مجموعی درست کارکردگی (WORKING) کے لئے نہایت ضروری ہے۔ نظام فکر و عمل کتنا ہی بہترین ہو، اگر وہ اپنے پیچھے ایک درست اور فعال

نظام عدل نہیں رکھتا اور مظلوم کی فوری دادرسی اور ظالم کی فوری پکڑ نہیں کرتا تو ایسے نظام کے اندر اس کے اپنے اجزائے ترکیبی کی طرف سے بغاوت کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ابواب: ۸، ۹ اور ۱۲ تا ۱۴ میں ہم نے اسلام کے نظام عدالت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ کس طرح اسلام نے مظلوم کی فوری مدد کے ساتھ ساتھ ظالم کی اصلاح بھی کی ہے۔ یہ اصلاح ظلم کے جواب میں ظلم سے نہیں بلکہ ایک جراح (SURGEON) کے نشتر سے کی جاتی ہے تاکہ ظلم وفساد، جہاں بھی سر اٹھائے اس کو جڑ سے نکال دیا جائے تاکہ دوسرے مائل بہ فساد و ظلم افراد کو نصیحت و فضیحت بھی ہو جائے اور وہ راہ راست پر بھی آجائیں۔

تیسری وجہ ذاتی ہے۔ میں خود چار سال تک اپنے بالکل جائز حق کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا رہا ہوں۔ اس میں ناکامی کے بعد میرے سامنے دو راستے تھے۔ اول یہ کہ میں اس نظام کے خلاف بغاوت کروں اور دوسرا یہ کہ معاملہ خدائے خیرالفاتحین پر چھوڑ دوں اور عدل وانصاف کی راہ کو اپنی بساط کے مطابق واضح کرنے کی کوشش کروں تاکہ جو زیادتی میرے ساتھ ہوئی ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہ ہوسکے۔ میں اللہ تعالیٰ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ اس نے نہ صرف مجھے اس صریح بے انصافی کے خلاف استقامت عطا کی بلکہ مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائی۔ اگر اس کتاب کو پڑھ کر کوئی بے حق مدعی اپنے ناجائز دعوے سے دستبردار ہو جائے اور اگر کوئی ظالم مدعاعلیہ فریق ثانی کی حق تلفی سے باز آجائے اور اگر کوئی گواہ درست اور سچی گواہی کا التزام کرے اور اگر کوئی وکیل کسی ظالم امیر کا ساتھ دینے کے بجائے عدل وانصاف کا علم بردار بن جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر منصفین عدل وانصاف سے فیصلے کر ڈالیں اور تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش کامیابی سے ہم کنار ہو گئی۔

عرفان حسن صدیقی

دیباچہ

"عدل" کے موضوع پر عرفان حسن صدیقی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب کے مسودہ کا مطالعہ میرے لئے افتخار اور مسرت کا باعث رہا ہے۔

اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عدل مکمل طور پر غیر جانبدارانہ انداز میں فراہم کیا جائے۔ اسلام کی رو سے انصاف افراد کے درمیان اونچ یا نیچ، امیر یا غریب، سفید یا سیاہ، مسلم یا غیر مسلم کے لحاظ سے کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

اے ایمان لانے والو! عدل قائم کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر گواہی دینے والے بنو۔ خواہ یہ خود تمہارے، تمہارے والدین یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ جائے۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ ہر دو کی نگہداشت کی بہترین اہلیت رکھتا ہے۔ تم خواہشات نفس کے پیچھے چل کر عدل کرنے سے باز نہ رہنا۔ اگر تم نے جھوٹی شہادت دی یا شہادت دینے سے باز رہے تو (یاد رکھو) اللہ یقیناً تمہارے سب اعمال سے واقف ہے" (القرآن ۴۔۱۳۵)

اللہ تعالیٰ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بخاری اور مسلم دونوں میں روایت کیا گیا ہے جس سے وہ اہمیت واضح ہوتی ہے جو نبی کریمؐ (ان پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو) مکمل غیر جانبداری اور کسی قسم کے امتیاز کے بغیر عدل کو دیتے تھے۔ اس حدیث میں اس اضطراب کا ذکر ہے جو ایک مخزومی عورت کو چوری پر دی گئی سزا کے بارے میں اہل قریش میں پایا جاتا تھا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس بارے میں کون اللہ کے رسولؐ سے بات کرے گا؟ مشورے کے بعد حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے

تیار کیا گیا چنانچہ حضرت اسامہؓ نے رسول اللہؐ سے سفارش کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "تم ایک ایسی سزا (حد) کے بارے میں سفارش کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے۔" یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرامؓ کو جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "جس طرز عمل نے تمہارے پیش رووں کو تباہ کیا وہ یہ تھا کہ جب ان میں سے اونچی حیثیت رکھنے والا شخص چوری کرتا تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا، لیکن جب ان میں سے کوئی کمزور یہ حرکت کرتا تو اس پر مقرر کردہ سزا عائد کر دی جاتی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کٹوا دیتا"

اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلیفہ منتخب ہونے پر ان کی طرف سے اعلان اول بھی قابل توجہ ہے:

"اے لوگو! مجھے آپ کے درمیان حاکم مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں آپ میں سب سے بہتر نہیں ہوں اس لئے اگر میں صحیح طریقے سے چلوں تو میری مدد کرنا۔ سچائی ایک (مقدس) امانت ہے اور جھوٹ امانت میں خیانت۔ آپ میں سے جو کمزور ہے وہ میری نگاہ میں مضبوط ہے جب تک کہ میں اللہ کی مدد سے اس کا حق اسے دلوا نہیں دیتا اور جو لوگ آپ کی نظر میں مضبوط ہیں وہ میری نظر میں کمزور ہیں جب تک کہ میں اللہ کی مدد سے ان سے وہ سب کچھ حاصل نہیں کر لیتا جو ان کی طرف نکلتا ہے۔"

اسلام میں عدل کرنا صرف حکمران اور منصف ہی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کی مجموعی ذمہ داری ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں جب ایک شخص دوسرے کے خلاف ظلم و ناانصافی کا مرتکب ہو رہا ہو تو کوئی بھی شخص محض اس بنا پر ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے علیحدہ کھڑا نہیں رہ سکتا کہ وہ ذاتی طور پر اس سے متاثر نہیں ہوتا۔

ارشاد ربانی ہے:۔

تم انسانوں میں وہ بہترین گروہ ہو جو اچھائی کی تلقین کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (القران ۳۔ ۱۱۰)

انسانی کمزوریوں کے انسانی فطرت کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہم سب کسی نہ کسی خطا کاری کے مجرم ہوتے ہیں۔ کسی ایک شخص کی طرف سے کی گئی کوئی حق تلفی چونکہ کسی دوسرے کے حقوق کو متاثر کرتی ہے اس لئے سنگین نوعیت کی حق تلفیاں معاشرے میں عدم توازن کو جنم دیتی ہیں اور ریاست کو لازمی طور پر ایسے اقدامات کرنے پڑتے ہیں جن سے معاشرے میں نظام عدل کا قیام ممکن ہو سکے اور نظم و ضبط قائم ہو۔ حقیقی توازن ہمیشہ قائم رہنا چاہیئے چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

اس نے (اللہ تعالیٰ نے) توازن قائم کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تجاوز نہ کر سکو۔ اس لئے عدل کے ذریعے میزان میں وزن پیدا کرو، اس میں کمی اور بگاڑ پیدا نہ کرو" (القران ۵۵. ۷ تا ۹)

مغربی فلسفہ، جس کی ہم بہت تعریف کرتے ہیں، فرائض اور ذمہ داریوں سے زیادہ حقوق اور اختیارات کی بات کرتا ہے۔ اس میں ریاستی حکام اقتدار کا لطف اٹھاتے ہیں اور اختیارات کا بھرپور استعمال کرتے ہیں لیکن شہریوں کے حقوق کی کماحقہ حفاظت اور ان کے حصول و ادائیگی کو یقینی بنانے کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں ہمیں توازن قائم رکھنے کی بار بار یاد دہانی کروائی جاتی ہے، کیونکہ ایک سماجی نظام میں استحکام اور پائیداری کی یہ ہی اصل بنیاد ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ عدل کا نفاذ خیر خواہانہ اور ہمدردانہ طور پر کیا جانا چاہیئے۔ ارشاد خداوندی ہے!

"اللہ تم کو عدل اور احسان (ضیافانہ برتاؤ) کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے" (۱۶: ۹۰)

علامہ عبداللہ یوسف علیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ عدل اپنے جامع مفہوم میں "ممکن ہے اپنے اندر جذبوں سے عاری فلسفہ کی تمام خوبیوں کو سموئے ہوئے ہو لیکن اسلام زیادہ پرخلوص اور انسانی جذبات سے زیادہ قریب" رویہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ اخلاص اور گرم جوشی کا رویہ حقیقی بھلائی یعنی "احسان" کہلاتا ہے۔ اسلامی تصور کے مطابق "عدل" اپنے سادہ مفہوم میں نیکی کے بدلے نیکی کرنا ہے مگر "احسان" سے مراد اس صورت میں بھی بھلائی کرنا ہے جب کہ "عدل" اس کا قطعی مطالبہ نہیں کرتا، اور

نہ ہی اس کے بدلے میں کوئی مفاد طلب کرتا ہے۔ اس لئے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق "عدل" کو رحم کی جاگ لگانا بھی ضروری ہے، اور اس اصول کی بنیاد پر ایک قانونی دعویٰ کو دشواری کا لحاظ کرتے ہوئے یا مجموعی طور پر قوم کے بہترین مفاد میں نامنظور کیا جا سکتا ہے یا پھر قانونی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی۔

اوپر بیان کردہ اصول یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی نظام کے تحت قانون اور (EQUITY) مختلف تصورات نہیں ہیں۔ اسلام میں حقوق کی ادائیگی کے لئے علیحدہ عدالتیں نہیں ہیں اور نہ ہی منصفانہ دادرسی کے لئے جداگانہ اصول ہیں۔ نقصان کی تلافی (RESTITUTION INTEGRUM) اور تعمیل منتخص (SPECIFIC PERFORMANCE) ایک عمومی قائدہ (RULE) ہے نہ کہ استثناء (EXCEPTION)، ازالۂ حیثیت عرف کی اجازت صرف وہاں دی جاتی ہے جہاں مخصوص بجاآوری ممکن نہیں رہتی یا جس کی ادائیگی کے نتیجے میں کوئی مصائب میں مبتلا ہوتا ہو۔

فوجداری قانون کے اطلاق میں بھی یہی اصول اپنایا جاتا ہے، عدل کی خاطر خواہ بجاآوری مجرم کو محض سزا دینے سے نہیں ہوتی۔ پورا انصاف کرنے کے لئے مظلوم کے نقصان کی تلافی بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی طریقے میں پسندیدہ اور ترجیحی اصول یہ ہے کہ جرم کے ارتکاب ہی کو روکا جائے اور ایسے عوامل کا سدباب کیا جائے جو جرم کو پیدا کرتے ہیں نہ کہ ارتکاب جرم کے بعد مجرم کو سزا دی جائے یہ تصور کہ مجرم کو سزا دینے سے دوسرے ارتکاب جرم سے باز رہیں گے قابل قبول نہیں ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے کہ جرائم کا ارتکاب ہی نہ ہو سکے۔

عرفان حسن صدیقی صاحب نے عدل کے تصور کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور اپنے ہر بیان کی تائید میں قرآن حکیم کے حوالے، اصل نظائر اور مثالیں دی ہیں۔ فی الحقیقت یہ کتاب محض اسلامی عدل ہی کی نہیں بلکہ اسلامی اصولوں کی شرح ہے۔

اس کتاب کے ایک قیمتی باب میں خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں عدل کے نفاذ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

اس اہم موضوع پر اپنی اس عمدہ تصنیف کے لئے عرفان صاحب ہر تعریف اور دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ موضوع آج کے معاشرے کے لئے ازحد اہمیت رکھتا ہے۔

جسٹس ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ
چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

تقریظ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کریم کے اسماء میں سے ایک نام "العدل" ہے اور یہ کائنات اس کی صفت عدل کا بھرپور اظہار ہے۔ پستیوں کے ساتھ بلندیاں، اندھیروں کے ساتھ اجالے، خزاں کے ساتھ بہار، دھوپ کے ساتھ چھاؤں، سختی کے ساتھ نرمی، کڑواہٹ کے ساتھ شیرینی، ذلت کے ساتھ عزت، تنگدستی کے ساتھ خوشحالی، غم کے ساتھ خوشی اور قبح کے ساتھ حسن یہ سب اس قادر و عادل کی قدرت اور عدل کے حسین مظہر ہیں۔ وہ خود بھی عادل ہے۔ اس نے کائنات کو عدل کے ساتھ تخلیق کیا اور انسان سے بھی عدل ہی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس نے انسان کو اس جہاں میں ساری آزادیاں دیں۔ اگلے جہاں میں اس کے اعمال پر مواخذہ رکھا۔ مگر مواخذہ سے پہلے اپنے برگزیدہ پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعے انسان کو نیکی بدی، اچھائی برائی، انصاف اور ظلم کی پہچان کرائی، وہ آخری ضابطہ حیات اور صحیفہ ہدایت، جس میں اس خالق نے انسانوں کی نجات کے راستے بیان کیے۔ قرآن حکیم ہے:

کوئی انسانی معاشرہ قرآنی اصولوں سے انحراف کر کے خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ قرآنی تعلیمات کا ایک اہم پہلو عدل اور انصاف ہے۔ قرآن انصاف کو پرہیز گاری کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ عدل ایک مرد مومن کے مزاج اور طبیعت میں اس حد تک رچ بس جائے کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی بے انصافی نہ کر سکے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

(المائدہ : ۸)

(المائدہ:۸)

اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دو۔
اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔
وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔

معاشروں کے استحکام اور حکومتوں کی بقا کے لئے عدل و انصاف کا قیام انتہائی ضروری ہے۔ انصاف کس طرح معاشرے کو حسین بناتا اور شکست و ریخت سے محفوظ رکھتا ہے۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاب نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (النحل:۱۶)

کے تحت اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔

سیدنا علیؓ کا ارشاد ہے:

"العدل لانصاف والاحسان التفضیل"

یعنی عدل انصاف کرنا اور احسان فضل و کرم ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا۔ انہیں دو چیزوں پر موقوف ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے اور قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان کو پیش نظر رکھے یعنی اس کو حق سے زیادہ بھی دے اور اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کے لئے ہر وقت سزا دینے پر ہی مصر نہ ہو بلکہ عفو و درگزر سے بھی کام لے۔ اس طرح اس معاشرہ میں صرف یہ نہیں کہ حسد و عناد کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں گے بلکہ انس و محبت کی نسیم بھی ان کے غنچہ ہائے دل کو تبسم آشنا کرتی رہے گی۔ یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو حکمائے اخلاق، بانیان مذاہب اور واضعین قانون کی تعلیمات سے قرآن کو بلند کر دیتا ہے اور اسی سے اسلامی معاشرہ کو سب معاشروں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔

میرا تعلق محکمہ انصاف سے ہے۔ دیگر باتوں کو چھوڑ کر جب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف پر غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ عدل و انصاف کا کوئی گوشہ نہیں جس کے بارے میں واضح ہدایات موجود نہ ہوں۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، صرف عنوانات سے اندازہ لگائیے کہ زندگی کا کون سا گوشہ ہے جو حضورؐ کی ہدایات عدل سے منور نہیں

ہیں

(۱) عدل انبیاء کرام کے ساتھ۔
(۲) عدل عبادت میں۔
(۳) عدل و احسان خود اپنی ذات کے ساتھ۔
(۴) عدل و احسان ذاتی اور قومی دشمن کے ساتھ۔
(۵) عدل و احسان کافروں اور مشرکوں کے ساتھ۔
(۶) عدل و احسان منافقوں اور مرتدوں کے ساتھ۔
(۷) عدل و احسان اہل معاملہ کے ساتھ۔
(۸) عدل و احسان مقروض کے ساتھ۔
(۹) عدل و احسان دوستوں اور شناساؤں کے ساتھ۔
(۱۰) عدل و احسان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ۔
(۱۱) عدل و احسان بیواؤں کے ساتھ۔
(۱۲) عدل و احسان بیویوں کے ساتھ۔
(۱۳) عدل و احسان خاص طور پر لڑکیوں کے ساتھ۔
(۱۴) عدل و احسان والدین اور خاص طور پر ماں کے ساتھ۔
(۱۵) عدل و احسان یتیم، مسکین، مسافر، غلام، پڑوسی اور مقروض کے ساتھ۔
(۱۶) عدل و احسان بندۂ مزدور، سرمایہ دار اور کاشت کار کے ساتھ۔
(۱۷) عدل و احسان مجرم کے ساتھ۔
(۱۸) عدل و احسان معاشرے کے ساتھ۔
(۱۹) عدل و احسان پرندوں اور جانوروں کے ساتھ۔

مثال کے طور پر عدل و احسان کے بارے میں ایک عمومی حکم کو لے لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے گواہ بن کر انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔" (سورۂ مائدہ ۵)

(۸

یہ عدل و انصاف کا اتنا بڑا چارٹر ہے جس کی مثال دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔ اس میں صرف انسانیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دین و مذہب، قوم و ملت، ملک و وطن اور دولت و عزت کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ یہ تعلیم صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہ تھی، بلکہ پورے معاشرے کا عمل تھا۔ میں صرف دو تین واقعات کا ذکر کروں گا جو حضورؐ کے قائم کردہ معاشرہ میں عدل و انصاف پر روشنی ڈالتے ہیں:

(ا) ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو رسول اللہؐ کے محبوب خاص تھے، درخواست کی کہ آپ سفارش کیجئے۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "کیا تم اللہ کی مقرر کردہ حد میں سفارش کرتے ہو۔ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے غریبوں پر حد جاری کرتے تھے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

(ب) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپؐ پر جھک گیا۔ آپؐ نے کھجور کی سوکھی شاخ سے جو آپؐ کے دست مبارک میں تھی، اسے ٹھوکا دیا، جس سے اس کے منہ پر خراش آ گئی۔ آپؐ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ "تم میرے سے قصاص لے لو۔" اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا۔

(ج) جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہؓ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپؐ نے تیر کی لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا کہ "اے سواد برابر ہو جاؤ۔" حضرت سوادؓ نے عرض کی "یا رسول اللہؐ آپ نے مجھے سخت ضرب لگائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے اس لئے آپ مجھے قصاص دیں۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ "اپنا قصاص لے لو۔" اس پر حضرت سوادؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے لپٹ گئے اور آپؐ کے شکم مبارک کو چومنے لگے۔ حضورؐ نے پوچھا "اے

سواد! تونے ایسا کیوں کیا۔" حضرت سوادؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ موت حاضر ہے اس لئے میں نے چاہا کہ آخر وقت میں میرا بدن آپؐ کے بدن اطہر سے مس ہو جائے۔" یہ سن کر آپؐ نے دعائے خیر فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

عدل و انصاف کے اسلامی قوانین اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اگر ان پر کوئی معاشرہ عمل پیرا ہو تو وہ معاشرہ ہر قسم کے عیوب سے پاک ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف کے دو ہی بنیادی تقاضے ہیں۔ سچی گواہی اور حق و انصاف کی سربلندی۔ ان دونوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ اس پر عمل پیرا ہو تو ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی ضمانت مل سکتی ہے۔

فاضل مصنف عرفان حسن صدیقی نے عدل کے موضوع پر بڑی محنت سے قرآن اور حدیث کا ریکارڈ مرتب کیا ہے۔ کتاب "عدل" ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں کائنات اور انسانی زندگی میں عدل کی کار فرمائیوں کے علاوہ اسلامی ریاست میں عدلیہ کے مقام اور عدلیہ کی مطلوبہ صفات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ موجودہ دور کی اسلامی حکومتوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کے نظام قضاۃ و عدالت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

میں مصنف کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں اس اہم کام کی توفیق مرحمت فرمائی۔

؎ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مسٹر جسٹس میاں محبوب احمد

چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ لاہور

عدل

عدل کیا ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۵: ۸)

(عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اللہ سے ڈرو، جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے)

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ۔ (الاعراف ۷: ۲۹)

(اے نبیؐ ان سے کہو میرے رب نے راستی و انصاف کا حکم دیا ہے)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل ۱۶: ۹۰)

(اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔)

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات ۴۹: ۹)

(ان کے درمیان عدل سے صلح کروا دو اور انصاف کرو کہ انصاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (الحدید ۵۷: ۲۵)

(ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں)

ان تمام آیات قرآن حکیم میں عدل اور قسط کے الفاظ کی تکرار ہے اس لئے ہم پہلے ان ہم معنی الفاظ کے معنی متعین کر لیتے ہیں۔

عدل (قسط و انصاف) قرآن حکیم کی ایک بنیادی قدر ہے اور اہل ایمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ اعتدال اسی سے نکلا ہے یعنی دونوں اطراف کا برابر کرنا، افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنا اور حق داروں کو ان کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا پہنچا دینا اور ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب کو برقرار رکھنا عدل ہے۔ قرآن حکیم نے اس کو "سوآء السبیل" (۵ : ۱۲) یعنی توسط و اعتدال کی شاہراہ یا صراط مستقیم، زندگی گزارنے کے ٹیڑھے اور غلط راستوں کے درمیان ایک درمیانی وسط راہ جس میں انسان خود اپنی قوتوں، خواہشات، جذبات، رجحانات، مسائل زندگی اور روحانی و جسمانی تقاضوں کے ساتھ مکمل انصاف اور عدل کرے۔ یہ درمیانی اعتدالی راہ اور متوازن طرز عمل انسانی زندگی کے درست ارتقاء اور کامیابی و بامرادی اور فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پے درپے انبیاء کرامؑ مبعوث ہی اس لئے فرمائے تاکہ وہ براہ راست انسان کو اس صراط مستقیم اور سواء السبیل کی طرف راہ نمائی کر سکیں کیونکہ انسان خود اس راہ کو پانے پر ہرگز قادر نہیں ہے۔ یہ سواء السبیل وہی بتا سکتا ہے جو انسان کا خالق ہے جو انسانی قوتوں، قابلیتوں، خواہشات، جذبات، رجحانات، جسم و نفس کے مطالبات، روح و طبیعت کے تقاضوں غرض انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو جانتا ہے۔ توازن کی نسبت ہی سے قرآن حکیم نے نظام عدل کو میزان کہا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کائنات کا نظام میزان پر قائم ہے اس لئے بنی نوع انسان کو بھی اپنے معاشرے میں میزان و عدل قائم کرنا چاہئے۔ جس معاشرے میں عدل و میزان نہ ہو وہاں پر قرآن حکیم کے مطابق فساد ہوتا ہے اور ظلم کا دور دورہ ہوتا ہے۔

عدل و انصاف کے لئے قرآن میں دوسرا لفظ قسط آیا ہے قسطاس ترازو کو کہتے ہیں۔ عدل اور قسط میں ایک باریک و لطیف فرق یہ بھی ہے کہ عدل کے معنی ہیں برابر کا سلوک اور

قسط کے معنی ہیں کسی کے حقوق و واجبات کو پورا پورا کر دینا یعنی ادائیگی حق بمطابق حق۔

عدل کے معنی برابر کرنے کے ہیں اور اس لفظ عدل میں مندرجہ ذیل معانی شامل ہیں۔

(i) نزاعی معاملات میں انصاف کرنا عدل ہے

(ii) افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرنا بھی مقام عدل ہے۔

(iii) ظاہر باطن ایک جیسا کر لینا بھی عدل ہے۔

(iv) اللہ کے احکام کی مکمل تعمیل کرنا اور اللہ کی مقرر کردہ ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرنا اپنے نفس اور اللہ کے ساتھ عدل ہے۔

(v) اپنے نفس کو خواہشات سے بچا کر قناعت و صبر سے کام لینا اور نفس کو بلاضرورت امتحان و آزمائش میں نہ ڈالنا نفس کے ساتھ عدل ہے۔

(vi) تمام اعمال و اخلاق حسنہ کی پابندی کرنا، برے اعمال و اخلاق سے اجتناب کرنا یعنی عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب عدل ہی کی اقسام ہیں۔ (۱۶ : ۹۰)

قسط و عدل کا تصور دو مستقل حیثیتوں کا مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں عدل کا مفہوم انصاف سے ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو افراد کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور اس سے عدل کے معانی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ اگرچہ بعض حیثیتوں میں عدل بہرحال مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت وغیرہ لیکن بعض حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات انجام دینے والوں کے

معاوضے میں مساوات، ایسا اگر کیا جائے گا تو یہ بات فطرت کائنات اور فطرت انسانی سے ہر گز میل نہ کھائے گی۔ اس لئے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ دورہ حاضر کی تاریخ میں کیونسٹ معاشی نظام جو انسان میں بزور حکومت معاشی مساوات کا دعویٰ کرتا تھا جس بری طرح ناکام ہوا ہے اس کی ناکامی ابھی ذہنوں میں بالکل تازہ ہے۔

اس قائم بالقسط کو انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس لوامہ (ضمیر) عطا کیا ہے جو زندگی کے ہر مرحلے پر انسان کو صحیح و غلط میں واضح فرق بتاتا رہتا ہے۔ قانون مکافات عمل رائج کیا ہے، انبیاء اور شرائع بھیجنے کا انتظام کیا شریعتوں میں تحریفات و بدعات سے فساد پیدا ہونے اور نظام عدل و قسط متاثر ہونے پر مصلحین و مجددین کو اصلاح اور تجدید قسط کے لئے پیدا کیا اور اس غرض کے لئے قوموں کے عروج و زوال کو اخلاقی عروج و زوال کا پابند کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس عدل و قسط کے کامل ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا دن مقرر کیا جو میزان عدل کا دن ہو گا جو عادلانہ تول کے ذریعے ہر انسان کے دنیوی اعمال کا انعام و سزا طے کر ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نظام قسط و عدل کو بگاڑنے کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) حکم خداوندی کو کج کرنا، بگاڑنا اور مسخ کرنا، اس کے لئے قرآن نے لفظ تلوا استعمال کیا ہے جیسا کہ یہودیوں نے کیا (۳ : ۷۸)

(۲) اعراض کرنا یعنی بگاڑا تو نہ جائے لیکن زندگی کے معاملات میں انہیں کوئی اہمیت بھی نہ دی جائے، اس کے لئے قرآن نے تعرضو کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (۴ : ۱۳۵) (۷۲ : ۱۷) مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ :۔

انسان اللہ کے بے لاگ نظام قسط و عدل کو بگاڑنے کے لئے جو بھی صورت اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہو گا۔ (۴ : ۱۳۵)

انسان اپنی خواہشات نفسانی کے تحت اس قدرتی و فطری توازن کو بگاڑتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بگڑے ہوئے انسان کو ڈھیل ضرور دیتا ہے لیکن ایک خاص حد پر پکڑ لیتا ہے اور بگاڑ کو از سر نو درست کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کو قائم بالقسط کہا ہے۔

(۳ : ۱۸)

عدل کو ا ن (نیک، فیاضانہ، ہمدردانہ برتاؤ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دے دینا اور خود اپنے حق سے کم پر راضی ہو جانا) اور صلہ رحمی (رشتہ داروں سے سلوک ا ن کیونکہ اسلام نے ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے ہی خاندان کے خوشحال لوگوں پر بیان کیا ہے) کے ساتھ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱۶ : ۹۰)

انسان عدل کے تصور اور اس کے وجود کے شعور سے عاری نہیں ہے۔ اگر وہ خود غرضی سے مغلوب ہو کر عدل کے تصور کی نفی کرتا ہے اور اس کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے تو انسان کھلی ناانصافی اور سخت نادانی کرتا ہے۔ یعنی انسان فطرتاً عدل و ظلم میں امتیاز سے قاصر نہیں ہے وہ اگر عدل و قسط کے خلاف رویہ اپناتا ہے تو اپنی فطرت کی شہادت کے خلاف محض اپنی نفسانی خواہشات کی پاسداری اور تکمیل میں ایسا کرتا ہے انسان کی فطرت ہی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں نیکوں اور بدوں کے درمیان امتیاز ہو۔ انسان اس فطری تقاضے کا انکار کرتا ہے کیونکہ وہ جزا و سزا کے مواجب سے گریز و فرار اختیار کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ انسان کی اپنی فطرت کا مطالبہ ہے اور نہایت مبنی بر عدل مطالبہ ہے۔

(۸۳ : ۱ تا ۶)

اس دنیا کا نظام امتحان و آزمائش کے اصول پر مبنی ہے اور آخرت کے معاملات عدل و انعام کے اصول پر طے ہوں گے دنیا میں کوئی بھی چیز کسی حق المحنت کے طور پر (جس کا جواز حکمت خداوندی میں ہے) پر نہیں دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی (حکمت کے تحت) کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دی ہے اور اسی تقسیم میں انسان کے صبر و شکر کا امتحان ہے۔ آخرت میں اس دنیوی کارکردگی کی بنا پر جزا و سزا کا فیصلہ ہو گا اور تکمیل انصاف ہو گی جن کے اعمال اچھے ہوں گے انہیں اچھا صلہ ملے گا اور جس کے برے ہوں گے انہیں بہرحال سزا مل کر رہے گی۔ خدائے عادل کے بے لاگ عدل و قسط کا یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا عادل اور انصاف پسند ہے وہ واحد و یکتا ہے اور تمام

اختیارات و تصرفات اس کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ان اختیارات و تصرفات کو ٹھیک عدل و قسط کے مطابق ا ل کر رہا ہے۔ وہ خالق و مدبر کائنات ہے۔ اس لئے اس کائنات کا بگاڑ نہیں بلکہ بناؤ اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نظام تکوینی کے ذریعے اس کارخانہ قدرت میں مکمل توازن رکھے ہوئے ہے اور ایسی ہی توازن پسندی وہ ہم انسانوں سے بھی چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ کی عدل پسندی یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس کی بنائی ہوئی زمین میں اس کا نائب اس توازن کو خراب کرے۔

پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم عدل کا لفظ ا ل کر کے دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا یہ تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمان داری سے ادا کئے جائیں اور دوسری طرف ہر انسان اپنی اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی فرائض کو کماحقہ ادا کرے۔

(۹) قیام عدل و قسط کے لئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کام مجرد وعظ و تذکیر اور انذار و تبشیر سے نہیں ہو سکتا یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو آیات و بینات کے واضح دلائل اور ساتھ میں کتاب کو میزان اور کسوٹی بنا کر بھیجا تاکہ عقلی و اخلاقی طور پر حجت تمام ہو جائے اور دوسری طرف (اقتداری قوت) لوہا بھی اتارا تاکہ جو لوگ اتمام حجت کے بعد بھی نہ جھکیں اور اپنی اغراض کے لئے زمین میں فساد کرنے پر تلے رہیں انہیں طاقت کے ذریعے زیر کیا جائے۔ قرآن حکیم میں تاریخ انبیاء کا بیان یہ ہی بتاتا ہے کہ اگر انبیاء کے ماننے والے کم ہوئے اور نہ ماننے والوں پر ہر طرح سے اتمام حجت کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی بچالیا اور نہ ماننے والوں پر عذاب الٰہی آ گیا اور اگر انبیاء کے ماننے والے معتدبہ ہو گئے تو انبیاء اور اس کے ماننے والوں کو جہاد بالسیف کا حکم دے کر کفر کا استیصال کر دیا گیا۔ یہ ہی سنت الٰہی مبنی بر عدل ہے۔
(۵۷ : ۲۵)

یہ بات نہایت اہم ہے کہ انسان اس ذات ہی سے ڈرے بھی اور اس ذات ہی سے

عدل مانگے جس کو مکمل اختیار حاصل ہو جو تمام کائنات اور اس کے اختیارات کا نہ صرف خالق بلکہ ما بھی ہو یعنی خالق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مدبر بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کا بیان قرآن حکیم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ذریعے کیا گیا ہے اور کل ۱۳ مقامات میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبار اور ذوانتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار مطلق کا اظہار کرنا مقصود ہے یا ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرانا مقصود ہے لیکن ان مقامات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ کل ۷۷ مقامات پر حکیم، رحیم، علیم، وہاب اور حمید کی صفات کا ذکر ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو زبردست ہے، کامل اقتدار رکھتا ہے، کائنات میں اس کے فیصلوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ دوسری طرف وہ حکیم ہے یعنی ہر فیصلہ دانائی کے مطابق کرتا ہے۔ علیم ہے یعنی ہر فیصلہ ٹھیک علم کے مطابق کرتا ہے۔ رحیم ہے یعنی اپنے اقتدار بے پناہ کو رحمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ غفور ہے یعنی اپنے زیر دستوں کے ساتھ چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ کرتا ہے۔ وہاب ہے یعنی اپنی رعیت کے ساتھ بے انتہا فیاضی کا معاملہ کرتا ہے اور حمید ہے یعنی تمام قابل تعریف و ذکر صفات و کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں۔
قرآن حکیم کا عادلانہ تصور حاکمیت الہیہ یہ ہی ہے کہ اس کائنات میں اقتدار اعلیٰ اور اقتدار مطلق اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے لیکن اس لامحدود اقتدار کے ساتھ ذات باری تعالیٰ ایسی ہے جو بے عیب ہے حکیم و علیم حمید و وہاب اور رحیم و غفور ہے۔

انسان کو اگر مکمل عدل کہیں سے مل سکتا ہے تو وہی ذات واحد دے سکتی ہے جو نہ صرف انسان کی خالق ہے بلکہ کائنات کی خالق بھی ہے وہ جو اس کائنات کی تدبیر عدل و قسط پر کر رہا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے کیا حقوق ہیں اور کن فرائض کے ساتھ منسلک ہیں اور کس طرح ان حقوق و فرائض کی نفی اور خلاف ورزی ہو سکتی ہے اور پھر ان خلاف ورزیوں کا مداوا کس طرح ہو سکتا ہے۔ جس ہستی میں یہ خوبیاں ہوں گی کہ وہ عزیز ہونے کے ساتھ حکیم و علیم بھی ہو، رحیم و غفور بھی ہو اور حمید و وہاب بھی ہو۔ وہی ہستی انسانوں میں عدل و

قسط قائم کر سکتی ہے یا عدل و قسط کو قائم کرنے کے اصول وضع کر سکتی ہے۔ یہ حقیقت بڑے واضح الفاظ میں قرآن حکیم نے یوں بیان کی ہے :۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۸-۱۹)

(اللہ تعالیٰ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے وہ انصاف پر قائم ہے اس زبردست حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کئے جنہیں کتاب دی گئی تھی، ان کے طرز عمل کی کوئی وجہ اس کے علاوہ نہ تھی کہ انہوں نے علم آ جانے کے بعد ایک دوسرے سے زیادتی کرنے کے لئے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام وہدایات کی اطاعت سے انکار کر دے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔)

اس باب میں ہم نے دراصل آنے والے ابواب کا ایک خلاصہ بیان کیا ہے ہر دلیل کی تفصیل آپ کو آنے والے ۱۴ ابواب میں ملے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام قرآن حکیم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہم سے ہر ایک مسلمانوں کو اپنے دائرہ اختیار میں عدل و انصاف کرنے کی توفیق دے اور عدل و قسط قائم کرنے کی ذمہ داری سے نیک نیتی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔

(آمین۔ ثم آمین۔ یارب العالمین)

باب دوم

عدل صفت الٰہیہ ہے

کائنات کی تخلیق و تدبیر میں عدل خداوندی

— اللہ تعالیٰ کی صفت — عدل و انصاف۔ (۴۰:۲۰) (۷:۱۷۰) (۷۶:۳۱) (۴۵:۲۱) (۳۸:۲۸) (۱۰:۲۷ تا ۳۰)

— خدائے سمیع و علیم کے کلمات و احکام سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہیں۔ (۶:۱۱۵)

— ہر فرد اور قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ جزا و سزا عین عدل پر مبنی ہے۔ (۶:۱۶۴۔۱۶۵) (۷:۱۰۰ تا ۱۰۲) (۳۵:۳۹)

— اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے عدل کو باطل نہیں کرتی بلکہ عدل خداوندی بھی اس کی رحمت کا متقاضی ہے وہ متقین کو بشارت دیتا ہے اور سرکشوں کو انذار کرتا ہے اور یہ دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی مظہر صورتیں ہیں۔ (۱۹:۹۴ تا ۹۶)

— اللہ تعالیٰ قائما بالقسط یعنی عدل و انصاف پر قائم ہے اور اسلام اس کا پسندیدہ دین ہے اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب ہر گز مبنی بر عدل نہیں ہو سکتے۔ (۳:۱۸۔۱۹)

— اللہ تعالیٰ تو عادل ہے وہ کیوں خواہ مخواہ اپنے بندوں کو سزا دے گا اگر اللہ تعالیٰ کے بندے ایمان لائیں اور شکر گزاری کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا قدر دان ہے۔ (۴:۱۴۶۔۱۴۷)

— اللہ تعالیٰ حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا وہ انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دے کر رہے گا۔ (۲۵:۲۴)

— اللہ تعالیٰ تو عادل ہے اس کی نظر میں بلحاظ نتائج اعمال ایک مومن اور ایک فاسق کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ (۳۲:۱۸تا۲۰) (۳۸:۲۸)

— فیصلے کا کامل اختیار اللہ ہی کو ہے وہی امر حق بیان کرتا ہے وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور حساب لینے میں بہت تیز ہے۔ (۶:۵۷تا۶۲)

امام رازیؒ کا قول ہے کہ عدل ہی سب سے بھاری صفت الٰہیہ ہے۔ کیونکہ کائنات کی تخلیق سے تدبیر تک، انسان کی تخلیق سے ذرائع زندگی کی فراہمی تک، انسانی امتحان و آزمائش کے مختلف مراحل، آخرت اور اس میں لاگو قوانین و احکام سب عدل اور اعتدال پر مبنی ہیں اور ہر دم اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر دلالت کرتے ہیں اس لئے انسان کے لئے بھی بہترین رویہ عدل ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے پورے کے پورے نظام کو ٹھیک ٹھیک توازن (عدل) کے ساتھ قائم کیا ہے اور اس نظام کی فطرت اور ترکیب تخلیق یہ ہی چاہتی ہے کہ اس میں رہنے والے اپنے اپنے حدود و اختیار میں عدل ہی پر قائم رہیں اور توازن نہ بگاڑیں کیونکہ یہ عظیم الشان قوتیں جو اس کار گاہ عالم میں کارفرما ہیں اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس کائنات میں پائی جاتی ہیں، اگر ان میں خالق نے کمال درجہ عدل و توازن نہ رکھا ہوتا تو یہ کار گاہ ہستی ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چل سکتی لہٰذا انسان کے لئے بھی صرف ایک ہی درست راستہ ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں عدل سے کام لے اور جن حق داروں کے حقوق اس کے ہاتھ میں ہیں ان کے حقوق ادا کرے کیونکہ اگر وہ حق داروں کا حق مارے گا تو یہ فطرت کائنات سے بغاوت ہو گی جس کا نتیجہ فساد ہو گا۔

اس حقیقت کو جو اوپر کے پیرا میں بیان کی گئی ہے مندرجہ ذیل ارشادات قرآن حکیم کے ذریعے سمجھیں :۔

— کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فضول، عبث اور بے مقصد نہیں کر ڈالی بلکہ کائنات کو مکمل نظام عدل پر ایک خاص مدت کے لئے حق پر قائم کیا گیا ہے تاکہ دنیوی اعمال

کے پیمانے کے مطابق اخروی زندگی میں انسان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے۔
(۲۹:۴۴) (۳۰:۸) (۳۹:۵) (۳:۱۹۰ـ۱۹۱) (۱۴:۱۹ـ۲۰)
(۱۶:۳) (۱۳:۲) (۶:۷۳) (۱۰:۵) (۲۱:۱۶ـ۱۷)
(۴۴:۳۸ـ۳۹) (۴۵:۲۲) (۳۸:۲۷ تا ۲۹) (۱۵:۸۵) (۴۶:۳)
(۶۴:۲ـ۳) (۶:۹۵ تا ۹۹)

— ذات خداوندی کا بے مثال عدل کہ اس نے انسانوں کی ہدایات و رہنمائی کے لئے فطری راہ نمائی (۷۵:۲) (۹۱:۷ تا ۱۰) (۹۰:۸ تا ۱۰) (۸۷:۲ـ۳) (۹۳:۷) (۹۲:۱۲ـ۱۳) کے ساتھ ساتھ آیات بینات اور انبیاء و رسل کا بندوبست کیا ہے۔ (۴۲:۱۷) (۵۷:۲۵) (۵:۴۸) (۱۰:۴۷) (۱۶:۱۰ تا ۱۸) (۲۲:۵۴) اس کے بغیر (یعنی اس اتمام حجت کے بغیر) نہ وہ انسانوں کو دنیوی عذاب میں پکڑتا ہے اور نہ ہی اخروی عذاب میں پکڑے گا۔ (۲۳:۷۱)
(۳۰:۴۱) (۶:۸) (۱۷:۱۵) (۲۰:۱۳۴)

— عدل خداوندی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور مصیبت و آزمائش کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ (۲:۵۷)
(۳:۱۱۷ـ۱۶۵ـ۱۸۲) (۴:۷۹) (۵:۴۹) (۶:۷۰ـ۱۲۳)
(۱۰:۴۴ـ۵۴) (۹:۷۰) (۸:۵۱ـ۵۲) (۷:۱۶۰ـ۱۶۲ـ۱۶۳ـ۱۷۷)
(۱۱:۱۰۱) (۱۶:۲۸ـ۳۳) (۱۸:۵۷ـ۵۹) (۲۲:۱۰) (۲۷:۸۵)
(۲۳:۶۲) (۳۰:۱۱۲) (۱۸:۴۹) (۳۵:۳۲) (۳۴:۱۹) (۳۰:۹)
(۲۶:۲۰۸ـ۲۰۹) (۲۹:۴۰) (۱۶:۳۳ـ۱۱۸)

— اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادات ٹھیک ٹھیک واضح کر دیئے ہیں اور وہ انسان پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا (۳:۱۰۸ـ۱۰۹) (۴۰:۳۱)

— سیدھا راستہ بتانا اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے جب کہ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں۔ (۲۲:۵۴)

— اللہ تعالیٰ کے عدل کی مثال کہ بھلائی اور برائی کرنے والے کا حال اگرچہ اللہ تعالیٰ پر واضح ہے وہ چاہتا تو فوراً پکڑ کر سزا دے ڈالتا لیکن وہ صاحب اقتدار ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حکمت بھی ہے۔ (۲:۲۲۰) (۴۲:۲۱)

— عدل کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ برائی کو بزور نہیں مٹاتا بلکہ اپنی مشیت کے تحت انسان کو آزمائش وامتحان کا پورا موقع دیتا ہے تاکہ انسان اپنی مرضی کے مطابق ہدایت یا گمراہی جو چاہے اختیار کرے۔ (۲:۲۵۳) اس ہی لئے اللہ تعالیٰ نے حق کو خوب واضح کر دیا ہے تاکہ جس نے ماننا ہے روشن دلیل کے ساتھ مانے اور جس نے انکار کرنا ہے خوب سوچ سمجھ کر ہی منفی راہ اختیار کرے۔ (۴۲:۸)

— حق تعالیٰ کا بے مثال عدل کہ سرکشی میں بھٹکنے والوں کو مہلت دیتا ہے اگرچہ انسان بھلائی مانگنے میں بہت جلد بازی کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سزا دینے میں ہرگز جلد بازی نہیں کرتا۔ (۱۰:۱۱) لیکن جب کسی قوم کی نافرمانیاں حد سے گزرنے لگتی ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی گمراہیوں کا باعث بھی بننے لگتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے بے لاگ عدل کی ایک اور صورت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے انبیاء کی حفاظت کرتا ہے انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بحفاظت نکال لیتا ہے اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (۱۰:۷۳-۹۰) (۲۲:۱۵) (۷:۱۶۵) (۱۲:۱۱۰) (۱۱:۴۰-۵۸-۶۶-۸۱-۹۴-۱۱۶) (۲۱:۶۹ تا ۷۱-۷۴-۷۷-۸۸) (۱۵:۵۸-۵۹-۶۵) (۵۴:۳۴) (۵۱:۳۵) (۴۸:۲۵) (۲۹:۳۲-۳۳) (۳۷:۹۸-۱۳۴) (۲۹:۱۴-۱۵) (۲۷:۵۳-۵۷)

— اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے مظاہر قدرت، انجام اقوام سابقہ کے علاوہ انبیاء کرام کے ذریعے ہدایت انسانی کا بندوبست کر رکھا ہے۔ (۱۶:۳۵-۳۶-۴۳-۴۴-۶۴ تا ۷۶-۷۸ تا ۸۳-۱۰۲) (۱۹:۹۷) (۱۷:۲-۹-۴۱-۱۰۵) (۱۸:۱ تا ۵-۲۹-۵۴-۵۶) پھر ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے اسے حساب لیتے اور مواخذہ کرتے دیر نہیں لگتی لیکن یہ اس

کا کمال عدل اور رحمت و مغفرت ہے کہ وہ انسان کو اس کے جرائم پر فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ایک خاص مقررہ وقت تک مہلت دیئے چلے جاتا ہے۔ (۲۰۲:۲) (۱۹:۳) (۴:۵) (۱۶۵:۶) (۱۶۷:۷) (۴۱:۱۳) (۵۱:۱۴) (۳۹:۲۴) (۱۷:۴۰) (۱۱:۳۵_۱۲) (۷۱:۳۶ تا ۷۳)

— اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ قرآن حکیم (کتاب) اور میزان نازل کی تاکہ ترازو میں تول کی طرح صحیح اور غلط، حق اور باطل، عدل اور ظلم، راستی اور ناراستی کا فرق خوب واضح ہو جائے۔ (۲۱:۴۲) (۲۵:۵۷)

— اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمانوں کے ذریعے حق کر کے دکھا دیتا ہے (۲۴:۴۲)

— اللہ تعالیٰ کفار کو فوراً نہیں مٹا دیتا بلکہ انہیں ان کے حصے کا رزق بخوبی دیئے جاتا ہے اور پھر ان کی طرف حق کو کھول کھول کر کے بیان کرنے والے رسول بھیجتا ہے۔ (۲۹:۴۳_۳۰)

— کائنات میں تخلیق خداوندی ترویج (جوڑا جوڑا) کے اصول پر ہے ہر ایک چیز جوڑا بن کر ہی نتیجہ خیز ہوتی ہے اسی طرح دنیا کی زوج آخرت ہے اور یہ ہی عین تقاضائے عدل ہے کہ آخرت میں انسان کو اس کے دنیوی اعمال کا بدلہ دیا جائے (۴۹:۵۱) (۳:۱۳) (۴۵:۵۳) (۳۶:۷۵ تا ۴۰) (۲۱:۳۰) (۳۶:۳۶) (۶:۳۹) (۱۲:۴۳) (۱۱:۴۲) اس کائنات میں ہر چیز کو ایک ضابطے کا پابند کیا گیا ہے عدل و میزان ہی اس نظم کائنات کی بنیاد ہے لہٰذا انسان کا کام بھی یہ ہی ہے کہ میزان میں خلل نہ ڈالے اور ٹھیک ٹھیک انصاف کا رویہ اپنائے کیونکہ ہر انسان اپنے کسب کے بدلے رھن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سروسامان، طاقتیں، صلاحیتیں اور اختیارات دنیا میں عطا کئے ہیں وہ انسان پر ایک قرض ہیں جو ما نے اسے دیا ہے اور اس قرض کی ضمانت کے طور پر انسان کا نفس اللہ تعالیٰ کے پاس رھن ہے۔ بندہ ان نعمتوں اور اختیارات کو صحیح طور پر استعمال کرے تو وہ نیکیاں کما

سکتا ہے جن سے یہ قرض ادا ہو سکے گا ورنہ وہ بد دیانتی کا سزاوار ہو جائے گا۔ (۲۱.۵۲) (۳۸.۷۴) اس ہی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا تا کہ اس کا امتحان لے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی دیں اور سیدھا راستہ بھی واضح کیا اب چاہے شکر ادا کرنے والا بنے اور چاہے کفر کرنے والا بنے۔ (۲.۷۶)

قرآن حکیم کی سورۂ انشقاق (۸۴) میں حق تعالیٰ نے قسم کھا کر اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ انسان کبھی ایک سی حالت پر نہیں رہتا، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، بڑھاپے سے موت، موت سے برزخ، برزخ سے دوبارہ زندگی، دوبارہ زندگی سے میدان حشر، پھر حساب کتاب اور جزا و سزا کے بے شمار مرحلوں سے انسان کو گزرنا ہے اور اس حقیقت اور انسان کے ساتھ عین مبنی بر عدل سلوک پر نمبر ا سورج کے ڈوبنے پر شفق کی سرخی، نمبر ۲ دن کے بعد رات کی تاریکی اور نمبر ۳ چاند کا ہلال سے بدر کامل بن جانے کی قسم کھائی گئی ہے جو تینوں اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کائنات میں ٹھہراؤ نہیں ہے بلکہ مسلسل تغیر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہے۔ (۸۴.۱۶ تا ۱۹)

اس موقع پر ہم تخلیق کائنات کے برحق ہونے پر تفصیلات عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نظام کائنات کو ٹھیک ٹھیک توازن کے ساتھ عدل پر قائم اور استوار کیا ہے اور اس عادلانہ نظام کی فطرت بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ اس کائنات کا مقصد وجود (اشرف المخلوقات حضرت انسان) اپنے حدود اختیارات میں بھی عدل و انصاف پر قائم رہے اور اس توازن کو نہ بگاڑے۔ بے حد و حساب تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں، یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم میں کام کر رہی ہیں اور یہ لاتعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس کائنات میں پائی جاتی ہیں، ان سب کے درمیان ایک کمال درجے کا عدل و توازن قائم نہ کیا گیا ہوتا تو یہ کارگاہِ ہستی ایک لمحے کے لئے بھی نہ چل سکتی۔ مخلوقات کے لئے رب تعالیٰ نے اسباب حیات میں پورا پورا عدل اور توازن پیدا کیا ہے اور ان اسباب حیات میں ذرہ برابر بھی بے اعتدالی ہو جائے تو اس کائنات میں زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ اب ہم چونکہ ایک مبنی بر عدل کائنات میں رہتے ہیں تو ہمارے لئے بھی عدل اور متوازن رویہ اپنانا ہی برحق

ہے۔ جس جس دائرے میں ہم اختیار رکھتے ہیں اس میں اگر ہم بے انصافی کریں گے، جن حق داروں کے حقوق ہمارے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں اگر ہم ان کا حق ماریں گے تو یہ فطرت کائنات سے بغاوت ہوگی کیونکہ اس کائنات کی فطرت ظلم، بے انصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی یہاں پر کوئی بڑا ظلم تو درکنار، ترازو میں ڈنڈی مارنا بھی میزان عدل میں خلل و فساد برپا کر دیتا ہے۔ سورۂ رحمٰن (۵۵) کی آیات ۵ تا ۹ میں یہ حقیقت نہایت واضح الفاظ میں یوں بیان ہوئی ہے :۔

"سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو"

(۵۵: ۵ تا ۹)

قریب قریب تمام مفسرین نے یہاں میزان (ترازو) سے مراد عدل لیا ہے اور میزان قائم کرنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کائنات کے اس پورے نظام کو عدل پر قائم کیا گیا ہے اور انسان چونکہ ایک متوازن کائنات میں رہتا ہے جس کا سارا نظام عین حق و عدل پر قائم ہے اس لئے انسان کو بھی عدل قائم کرنا چاہیئے جس جس دائرے میں تم اختیار رکھتے ہو اس میں اگر تم بے انصافی کرو گے تو یہ فطرت کائنات سے تمہاری بغاوت ہوگی۔
(صفحہ ۱۳۵۳ ترجمہ قرآن مجید۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی")

اس ہی لئے اللہ تعالیٰ نے قیام بالقسط اور شہادت للہ کا حکم دیا ہے۔ (۴: ۱۳۵)
اور دوسری طرف قیام للہ اور شہادت بالقسط کا حکم دیا ہے۔ (۵: ۸) کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ اس کا خالق و مدبر قائم بالقسط ہے اس لئے اس کائنات میں انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے بنیادی چیز یہ ہی ہے کہ انسان اپنے دائرہ اختیار میں عدل و قسط پر قائم رہے نہیں تو سارے نظام تہذیب و تمدن میں فساد و اختلال پیدا ہو جائے گا دوسری طرف

عدل پر قائم رہنے کا نتیجہ اور مآل کار کے لحاظ سے بابرکت اور بہترین بتایا گیا ہے۔ اور اس میں دنیا و آخرت دونوں کی برکتیں موجود ہیں۔ اس کائنات کا نظام عدل و قسط پر قائم ہے لہذا انسان کو بھی اس میزان کو درہم برہم نہیں کرنا چاہیئے اور عدل و قسط کا علم بردار بننا چاہیئے اسی میں فلاح دارین ہے۔ (۶:۱۵۳) (۱۱:۸۵) (۱۷:۳۵) (۵۵:۷ تا ۹) (۸۳:۱ تا ۳) (۲۶:۱۸۲ تا ۱۸۴)

ایک نہایت اہم حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ توحید کا نظریہ اس کائنات کے وجود کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہے اگر خدائے واحد کے علاوہ اور خدا ہوتے تو اس کائنات میں ہر طرف فساد ہو جاتا (۲۱:۲۲) اور اگر کہیں اس کائنات میں حق انسان کی خواہشات کا پیرو کار ہوتا تو ارض و سموٰات میں فساد برپا ہو جاتا (۲۳:۷۱) چنانچہ نزول قرآن کے وقت حکومت ایران اور فارس میں جاری جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا: ۔

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا لوگوں کی اپنی ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ (حق تعالیٰ) مزا چکھائے انسانوں کو ان کے اپنے اعمال کا، شاید کہ وہ (نصیحت پکڑیں اور) باز آئیں۔ (اے نبیؐ) ان سے کہو زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے"

(۳۰:۴۱۔۴۲)

قرآن میں جا بجا یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ مشرکین بھی مانتے ہیں اور مظاہر قدرت یہ ثابت کرتے ہیں کہ نظریہ توحید ہی عین عدل ہے اور شرک بے انصافی ہے۔ (۶:۱۴ تا ۲۴) (۷:۵۴۔۵۵) (۶:۶۳ تا ۶۵۔۹۵ تا ۱۰۲) (۱۰:۳۱ تا ۳۵) (۲۲:۶۱ تا ۶۶) (۲۳:۸۴ تا ۹۰) (۲۵:۴۵ تا ۵۰) (۲۹:۶۱ تا ۶۳) (۳۰:۱۸ تا ۲۰) (۳۱:۲۵ تا ۳۲) (۳۹:۳۷ تا ۴۴) (۴۰:۶۴ تا ۶۸) (۴۵:۲۲) (۴۳:۹ تا

۱۴_۸۷_۸۸)

اب تک کی تفصیل سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

(i) کائنات کا پورا نظام حق تعالیٰ نے صرف حق و عدل پر استوار کیا ہے۔ کائنات کی فطرت حق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے نہ کہ باطل کے ساتھ اس لئے اس کائنات میں دوام اور قیام صرف حق و عدل کو ہے نہ کہ باطل کو۔

(ii) یہ کائنات ایک سنجیدہ نظام ہے جس کا ایک ایک ذرہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اسے کمال درجہ حکمت کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے، اس کائنات کی ہر شے ایک قانون کے تحت کارفرما ہے اور کائنات کی ہر شے بامقصد ہے محض عبث نہیں ہے۔ انسان کا تمدن، معیشت اور تمام علوم و فنون خود اس بات کے گواہ ہیں کہ کائنات کی ہر شے کے پیچھے کام کرنے والے قوانین دریافت کر کے اور ہر چیز کا مقصد وجود تلاش کر کے ہی انسان یہاں کچھ تعمیر کر سکا ہے۔ ورنہ ایک بے ضابطہ اور بے مقصد کھلونے میں اگر انسان کو ایک پتلے کی حیثیت سے رکھ دیا جائے تو کسی سائنس اور تہذیب و تمدن کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اگر یہ بات درست ہے تو پھر جس حکیم نے اس حکمت اور مقصدیت کے ساتھ یہ کائنات بنائی اور اس کے اندر ایک انسان جیسی بااختیار مخلوق اعلیٰ درجہ کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں، طاقتوں اور آزادی اختیار کے ساتھ، حس اخلاق اور حسن اخلاق سے آراستہ کر کے پیدا کی اور اس کائنات کا بے شمار سروسامان انسان کے حوالے کیا، کیا اس نے انسان کو محض عبث اور بے مقصد پیدا کر دیا ہے اور کیا انسان دنیا میں تعمیر و تخریب، نیکی و بدی، ظلم و عدل اور راستی و ناراستی کے سارے ہنگامے برپا کرنے کے بعد بس یوں ہی مٹی ہو جائے گا اور انسان کے کسی اچھے اور برے کام کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، انسان اپنے ایک عمل سے اپنی اور اپنے جیسے ہزاروں انسانوں کی زندگی اور دنیا کے بے شمار اشیاء پر اچھے برے نتائج ڈال کر رخصت ہو جائے گا اور انسان

کے مرتے ہی یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا؟ یہ سب کچھ ایک عادل خدا کی کائنات میں جو خود برحق ہے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

(iii) اس کائنات میں جاری ایک اور اصول عدل یہ ہے کہ اس کی کسی چیز کو خالق کائنات نے ہیشگی نہیں دی ہے صرف خالق خود ہی الحی والقیوم ہے یہاں ہر مخلوق اور تخلیق کی ایک عمر مقرر ہے جس کو پانے کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے یہ ہی معاملہ بحیثیت مجموعی پوری کائنات کا بھی ہے یہاں کی تمام قوتیں سب محدود ہیں ایک مقرر وقت تک کے لئے کام کر رہی ہیں اور انہیں لامحالہ خرچ ہو جانا ہے اس نظم کائنات کو ختم ہو جانا ہے یہ ہر گز ہر گز ابدی نہیں ہے۔

(iv) کائنات کے نظام کا مبنی بر عدل و حق ہونے کا چوتھا مقتضی . یہ ہے کہ یہ زمین و آسمان اوہام و تخیلات پر نہیں بلکہ حقیقت و واقعیت پر کھڑے ہیں یہاں وہی بات کامیاب ہو سکتی ہے اور قرار و ثبات پا سکتی ہے جو حقیقت اور واقعات کے مطابق ہو خلاف حقیقت قیاسات اور مفروضات پر جو عمارت کھڑی کی جائے گی وہ آخر کار حقیقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی۔

(v) اس کائنات کی تخلیق محض کھیل کے طور پر نہیں بلکہ یہ ایک سنجیدہ کام ہے جو خدائے حکیم نے حکمت کی بنا پر کیا ہے اور ایک مقصد عظیم اس کے اندر کار فرما ہے اور ایک مقرر دور گزرنے کے بعد یہ امر ناگزیر ہے کہ خالق اس پورے کام کا حساب لے جو گزرے ہوئے دور میں انسانوں نے انجام دیئے ہیں اور گزرے ہوئے دور کے نتائج پر نئے دور کی بنیاد رکھی جائے چنانچہ اسی لئے خالق کائنات نے عدل، حکمت اور راستی کے قوانین پر ایک ایک چیز تخلیق کی ہے باطل کے لئے اس نظام کائنات میں جڑ پکڑنے اور بار آور ہونے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بربنائے حق پیدا کیا ہے اور اپنے ذاتی حق کی بنا پر وہی اکیلا اس میں مکمل فرمانروائی کر رہا ہے یہ حق اسی

کا ہے کوئی دوسرا یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کائنات میں اپنا حکم چلائے۔

تخلیق کائنات کے برحق ہونے کے یہ پانچ نتائج ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ خلاصہ تحریر یہ ہوا کہ تخلیق کائنات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا عدل حقیقی جلوہ گر ہے اور اس نے محض کھیل کود کے لئے نہیں بلکہ انسان کے امتحان و آزمائش کے لئے یہ کارخانہ کائنات وجود میں لایا ہے جو ایک روز اپنی بساط سمیت لپیٹ دیا جائے گا اور پھر ہر انسان کو نہایت عدل و انصاف کے ساتھ دنیا کے ہر اچھے اور برے اعمال کا تول تول کر بدلہ دیا جائے گا یعنی عدل کے اولین تقاضے کے مطابق برحق تخلیق کائنات کا لازمی نتیجہ جزا و سزا آخرت ہے۔

____ انسان کی اپنی تخلیق بھی اس کائنات کی تخلیق کی طرح برحق، اعتدال اور مکمل توازن کے ساتھ کی گئی ہے۔ (۷.۸۲) یعنی کائنات کے برحق ہونے کے تقاضوں کو پچھلے صفحات میں آپ تفصیلاً پڑھ چکے ہیں اسی طرح انسان کی برحق، متناسب اور مبنی بر عدل تخلیق پر قرآن کی شہادت بھی موجود ہے اور برحق کائنات کی طرح انسان پر بھی وہی پانچ اصول لاگو ہوتے ہیں کیونکہ انسان کی تخلیق بھی عدل کے اصول زرین کے تحت کی گئی ہے۔

اس بات کو ختم کرنے سے پہلے ایک نہایت اہم حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ہمارا یہ عالم، ہماری یہ دنیا عالم طبیعی ہے عالم اخلاق نہیں اور ان ہی قوانین طبیعی پر اس کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اس موجودہ کائنات میں انسانی اعمال و افعال کے اخلاقی نتائج صرف اس کم از کم حد تک ہی مرتب ہو سکتے ہیں، جہاں تک قوانین طبیعی انہیں مرتب ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص قتل کر دیتا ہے تو اس شخص پر اخلاقی قوانین کا مرتب ہونا طبیعی قوانین کی اجازت پر منحصر ہے کہ اس کے جرم کا سراغ لگے، اس پر جرم ثابت ہو جائے اور ایک کم از کم اخلاقی سزا اس پر نافذ ہو جائے۔ یعنی اگرچہ طبیعی قوانین مدد بھی کریں تو قتل کے بدلے قتل ہو جانا مکمل اخلاقی سزا نہیں ہے قاتل کے اس فعل قتل سے مقتول کے گھر پر مستقبل میں کیا کیا آزمائش آئے گی، اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہے اسی طرح جرم زنا کو

لے لیں اگر کوئی زنا کی وجہ سے کسی بیماری میں مبتلا بھی ہو جائے تو یہ اخلاقی سزا ناکافی ہے کیونکہ وہ علاج کروا کر اس بیماری سے نکل سکتا ہے۔ یہ دونوں مثالیں منفی ہیں اگر آپ مثبت طرف لیں تو دنیا میں انسان کی کسی بھی نیکی کا اخلاقی انعام ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ دنیا میں طبیعی قوانین لاگو ہیں اور ان کی اجازت اور مدد ہی سے اخلاقی نتائج مرتب ہوتے ہیں کیونکہ یہ دنیا دارالجزاء نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف دارالعمل ہے امتحان گاہ اور آزمائش خانہ ہے۔ دارالجزاء ایک اور بعد والا عالم ہے جس میں موجودہ دنیا کے بالکل برعکس اخلاقی قوانین حکمران ہوں گے اور طبیعی قوانین محض اخلاقی قوانین کی مدد کے لئے ہوں گے۔ یہ ہی خدائے عادل کا عدل ہے کہ اس نے زندگی بعد موت اور آخرت کے قائم کرنے کا اعلان ساتھ ہی کر دیا تاکہ انسان متنبہ رہے کہ اس دنیا میں کئے گئے افعال کا ایک دوسرے عالم میں اس نے حساب دینا ہے وہاں پر اس کے اعمال گن کر نہیں بلکہ تول کر اور نیتوں کا حساب لگا کر جزا و سزا کا اہتمام کیا جائے گا۔ جزا و سزا عین ثبوت کے ساتھ ہو گی ثبوت بھی ایسا کہ کوئی انکار ہی نہ کر سکے گا۔ کیا نیک ملائکہ کے لکھے ہوئے نامہ اعمال اور اپنے ہی اعزائے جسمانی کی گواہی سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ خدائے عادل کے اس نظام عدل کا بیان ہی ہمارے اس باب کا موضوع تھا۔

باب سوم

انسان کی دنیوی زندگی میں عدل خداوندی

اولین اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت کسی خاص گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اگر حضرت نوحؑ کا بیٹا اور حضرت لوطؑ کی بیوی نہ بخشے جائیں اور دوسری طرف فرعون لعین کی بیوی مومن بن جائے اور بت گر کا بیٹا امام الانبیاء بنا دیا جائے تو کیا ان قرآنی واقعات سے یہ شہادت نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ کا عدل بےلاگ ہے اس کے پاس ہر کوئی صرف اپنی ذاتی کمائی کا صلہ ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کا درجہ اس کے اعمال کی بنا پر ہی مقرر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ہرگز کوئی اور پیمانہ نہیں ہے۔ (۱۹:۴۶) (۱۳:۴۹)

—— دنیا دارالعمل ہے دارالجزاء نہیں یہاں پر ہر شخص خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے نہ کوئی اس کے اعمال کی ذمہ داری میں شریک ہے اور نہ کوئی اسے اس کے اعمال کی جزا و سزا سے بچا سکتا ہے۔ (۱۰۵:۵) (۶:۱۶۰۔۱۶۴) (۱۸:۳۵) (۳۳:۳۱) (۳۰:۴۴۔۴۵) (۱۰۹:۴) (۶:۷۰) (۶۰:۳) (۱۷:۷) (۸۶:۱۰) (۷۴:۴۸) (۵۳:۳۶) (۸۶:۴۳) (۳۰:۱۳) (۱۰:۳) (۳۹:۵۲) (۸۲:۱۹)

—— انسانوں کو بحیثیت مجموعی نائب خدا اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت حاصل ہے (۱۵:۲۶ تا ۴۴) (۲:۳۰ تا ۳۹) (۱۷:۶۱ تا ۶۵) (۶:۱۶۵)

(۷:۱۲۹) (۳۸:۲۶) (۶:۷۳) (۷:۱۶۱ — ۱۶۲
(۳:۳۶_۱۹۰_۱۹۱)

—— تمام انسانوں کے لئے شرف و عزت کا مقام رکھا گیا ہے مختلف طبقات میں تقسیم محض پہچان کے لئے ہے (۲۶:۸۱_۲۷) (۱۷:۷۰) (۴۹:۱۱_۱۲) (۲۴:۲۷_۲۸) اصل معیار عزت و شرف اخلاق ذاتی ہے (۴۹:۱۳) (۴۶:۱۹) کسی طبقے کی مذہبی برتری بھی ناانصافی ہے قرآن اس کی مذمت کرتا ہے۔ (۲:۱۹۹)

—— زمین میں انسان کی زندگی کا آغاز جہالت کی تاریکی میں نہیں بلکہ علم کی روشنی میں کروایا گیا ہے۔ (۲:۳۸_۳۹) (۲:۲۱۳) اور قرآن حکیم انسان کے ازلی گناہ گار ہونے کے نظریے کی تردید کرتا ہے۔ (۲:۳۷) (۳:۶۴) (۴۰:۶۴) (۲۰:۱۲۲)

—— حق تعالیٰ نے انسانوں میں فطری فرق مراتب رکھا ہے کیا یہ انصاف ہے؟ یہ فرق مراتب عین تقاضائے حکمت ہے بالکل اسی طرح جس طرح زمین کے مختلف قطعات اپنے پھلوں کے لحاظ سے مختلف ہیں حالانکہ ایک ہی پانی ہے، ایک ہی سورج ہے لیکن پھل کوئی بہترین ہے اور کوئی کم ترین اسی طرح انسانوں میں بھی فرق مراتب ہے۔ (۱۳:۴) لیکن بہرحال دنیا میں حاصل اس فضیلت و برتری میں انسانوں کے لئے آزمائش ہے (۳۴:۲۰_۲۱) (۶:۱۶۵) کیونکہ انسان کو انتخاب و ارادہ کی آزادی بخشی گئی ہے۔ (۱۶:۹) (۱۱:۷_۱۱۸_۱۱۹) (۲۰:۱۲۳_۱۲۴_۱۲۹) (۴۲:۸) (۱۰:۱۹) (۱۷:۱۵)

—— انسان کو صاحب علم ہی نہیں بلکہ قلم کا استعمال سکھا کر اس کی علمی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع بھی فراہم کیا گیا ہے۔ (۹۶:۴_۵)

—— معذوب قوموں کا انجام بد بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مبنی بر عدل قانون

مکافات کے نافذالعمل ہونے کا ثبوت ہے جو قرآن حکیم میں جگہ جگہ نئے نئے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے (۳:۱۳۷) (۶:۶-۱۱-۴۲ تا ۴۵-۱۳۳) (۷:۴ تا ۱۰-۳۴-۷۱-۷۸-۹۱-۹۲-۹۵ تا ۹۸-۱۰۰ تا ۱۰۲-۱۱۸-۱۱۹-۱۳۶) (۱۲:۱۰۹-۱۱۱) (۱۱:۷-۵۷-۶۰-۶۶ تا ۶۸-۱۰۲) (۱۰:۱۳-۱۴-۷۳-۹۰ تا ۹۲-۹۸-۱۰۳) (۱۳:۶-۴۰-۴۱) (۱۴:۹ تا ۱۷-۲۸-۲۹) (۱۵:۷۲ تا ۸۴) (۱۶:۳۶-۴۵ تا ۴۷) (۱۷:۱۶-۱۷-۵۸) (۱۸:۵۵-۵۹) (۱۹:۷۳-۷۴-۹۸) (۲۰:۷۸-۹۹-۱۲۸) (۲۱:۶-۱۱ تا ۱۵) (۲۲:۴۲ تا ۴۸) (۲۳:۴۱) (۲۴:۳۴) (۲۵:۳۶ تا ۴۱) (۲۶:۵۷ تا ۵۹-۶۵-۶۶-۱۱۹-۱۲۰-۱۳۸-۱۳۹-۱۵۶ تا ۱۵۸-۱۷۳-۱۷۴-۱۸۹-۱۹۰-۲۰۱ تا ۲۰۳) (۲۷:۵۰ تا ۵۲-۵۷-۶۹) (۲۸:۵۸-۷۸) (۲۹:۱۴-۱۵-۳۴-۳۵-۳۸ تا ۴۰) (۳۰:۹-۴۲) (۳۲:۲۱-۲۶) (۳۴:۱۶-۱۷-۴۵) (۳۵:۲۶-۴۳-۴۴) (۳۶:۱۳ تا ۳۲-۴۵) (۳۷:۸۲) (۳۸:۲-۳-۱۲ تا ۱۴) (۳۹:۲۶-۵۰-۵۱) (۴۰:۴ تا ۶-۲۲-۲۳-۳۰-۳۱-۷۷-۸۲-۸۳-۸۵) (۴۱:۱۳ تا ۱۸) (۴۳:۷-۸-۲۵-۴۱-۴۲-۴۸-۴۹-۵۵-۵۶) (۴۴:۲۲ تا ۳۰) (۴۶:۲۴ تا ۲۶) (۴۷:۱۳) (۵۰:۱۴-۳۶-۳۷) (۵۳:۵۰ تا ۵۴) (۵۱:۳۲-۳۷-۴۰-۴۱-۴۵-۴۶) (۵۴:۴-۵-۹ تا ۱۶-۱۸ تا ۲۱-۳۰-۳۱-۴۹ تا ۵۱) (۵۹:۳) (۶۴:۴-۵) (۶۵:۸-۹) (۶۷:۱۷-۱۸) (۶۸:۳۳-۴۴) (۶۹:۴ تا ۱۲) (۷۱:۲۵) (۷۳:۱۶-۱۷) (۷۴:۱۵-۱۶) (۷۷:۱۶ تا ۱۸) (۷۹:۲۵-۲۶) (۸۹:۵ تا ۱۴) (۹۱:۱۱ تا ۱۵) اور

(۱۰۵:۱ تا ۵) دنیا میں یہ بے لاگ انصاف خداوندی سامان عبرت بھی ہے اور نصیحت کا حق ادا کرنے والی حکمت بھی ہے۔

___ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب تک متنبہ کرنے والے کو نہ بھیجے اور جب تک متنبہ کرنے والا اللہ کا رسول ان کے درمیان موجود ہوتا ہے ان کی مہلت کی مدت دراز ہوتی رہتی ہے۔ (۲۶:۲۰۸ـ۲۰۹) (۲۷:۵۸) (۲۸:۴۶ـ۴۷ـ۵۹) (۳۲:۳) (۱۱:۱۱۶ـ۱۱۷) (۲۰:۱۳۴)

___ انسان کے اندر نفس لوامہ (ضمیر) جو درست راہ کی نشان دہی اور غلط رویے پر متنبہ کرتا رہتا ہے (۷۵:۲) (۹۱:۷ تا ۹)

___ جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا وہ دنیوی اور اخروی فلاح پائے گا اور جو نہیں چلے گا وہ دنیوی و اخروی خسران میں مبتلا ہو کر رہے گا یہ ہی عین تقاضائے عدل ہے اور اس دنیا میں خدائے عادل کے نافذ کردہ قانون مکافات کا ثبوت ہے۔ (۲:۲ تا ۷ـ۲۵ـ۳۸ـ۳۹ـ۸۱ـ۸۲ـ۹۰ـ۱۰۳ـ۱۱۴ـ۱۵۰ـ۱۶۱ـ۱۶۲ـ۲۰۷ـ۲۱۳ـ۲۱۴ـ۲۲۳ـ۲۵۶ـ۲۵۷ـ۲۶۲) (۳:۴ـ۵۶ـ۵۷ـ۸۵ـ۱۵۱ـ۱۹۶ تا ۲۰۰) (۴:۵۵ تا ۵۷ـ۱۲۲ـ۱۵۰ تا ۱۵۲ـ۱۶۲ـ۱۶۹) (۵:۵ـ۹ـ۱۰ـ۸۵ـ۸۶) (۶:۱۳۵) (۷:۸ـ۹ـ۳۵ـ۳۶ـ۴۰ تا ۴۳ـ۱۵۷) (۹:۷۱ تا ۷۳ـ۱۲۵) (۱۰:۴ـ۷ تا ۱۰ـ۶۹ـ۷۰) (۱۱:۱۸ تا ۲۴ـ۱۰۵ تا ۱۰۸) (۱۳:۱۸ـ۳۵) (۱۴:۲۳) (۱۶:۱۰۷ تا ۱۱۰) (۱۸:۲۹ تا ۳۱ـ۱۰۳ تا ۱۰۸) (۱۹:۵۹ تا ۶۳ـ۶۸ تا ۷۶ـ۹۷) (۲۰:۷۴ تا ۷۶ـ۱۱۱ـ۱۱۲ـ۱۲۳ـ۱۲۴) (۲۲:۱۱ تا ۱۴ـ۱۹ تا ۲۴ـ۵۰ـ۵۱ـ۵۶ـ۵۷) (۲۳:۱۰۲ تا ۱۰۵) (۲۶:۵۷ تا ۵۹) (۲۸:۳۷ـ۶۱) (۳۰:۱۵ـ۱۶ـ۴۴ـ۴۵) (۳۱:۵ تا ۹) (۳۲:۱۹ـ۲۰) (۳۳:۷ـ۸ـ۷۲ـ۷۳) (۳۴:۴ـ۵ـ۳۷ـ

۳۸) (۳۵:۵ تا ۷ ـ ۳۲ تا ۳۷ ـ ۵۵ تا ۶۴) (۳۸:۴۹ تا ۶۴)
(۳۹:۹ ـ ۲۲ ـ ۳۲ تا ۳۵ ـ ۵۹ ـ ۶۰ ـ ۷۱ تا ۷۴) (۴۱:۷ ـ ۸ ـ
۴۰) (۴۲:۷ ـ ۲۱ ـ ۲۲ ـ ۲۶) (۴۳:۶۸ تا ۷۸) (۴۴:۴۳ تا
۵۷) (۴۷:۱ تا ۳ ـ ۱۲ ـ ۱۴ ـ ۱۵) (۵۱:۱۰ تا ۱۹) (۵۶:۸۶ تا ۹۴)
(۵۸:۱۴ تا ۲۲) (۵۹:۱۹ ـ ۲۰) (۶۴:۸ تا ۱۰) (۶۹:۱۹ تا ۳۴)
(۷۲:۱۴ ـ ۱۵) (۷۹:۳۶ تا ۴۱) (۸۲:۱۳ ـ ۱۴) (۸۴:۷ تا ۱۵)
(۸۵:۱۰ ـ ۱۱) (۹۰:۱۷ تا ۲۰) (۹۱:۹ ـ ۱۰) (۹۲:۴ تا ۱۱) (۹۸:۶
تا ۸) (۱۰۱:۶ تا ۱۱)

— منافقین (موقع پرست، شکی اور جھوٹی توقعات رکھنے والے) خود ہی اپنے آپ کو فتنے میں ڈالتے ہیں ان کا دنیا میں اور آخرت میں برا انجام مقدر ہے اور یہ ہی اللہ تعالیٰ کے عادلانہ قانون مکافات کا تقاضا ہے۔ (۲:۸ تا ۲۰)
(۴۷:۲۰ تا ۳۰) (۵۷:۱۳ تا ۱۵) (۵۹:۱۰ تا ۱۷) (۴:۱۳۷ تا
۱۴۰) (۳:۶) (۳۳:۱۹ ـ ۲۴ ـ ۶۰ ـ ۶۱ ـ ۷۳) (۲۸:۱۰ ـ ۱۱)
(۹:۱۰۱) (۵:۵۲ ـ ۵۳) (۶۳:۱ تا ۷) (۶۶:۹)

— یہ طرز فکر بالکل غلط ہے کہ اہل ایمان کا انعام آخرت ہی میں ملے گا اور یہ کہ دین کی راہ اختیار کرنے سے انسان کی آخرت تو شاید سنور جائے لیکن دنیا تباہ ہو جاتی ہے قرآن کا ارشاد ہے کہ نیکی کے انجام کے طور پر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی مزید فضل و کرم سے نوازتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کا ثواب بھی ہے اور آخرت کا ثواب بھی ہے۔ (۲:۵۸ ـ ۱۲۶ ـ ۲۰۰ ـ ۲۰۱)
(۳:۱۴۷ ـ ۱۴۸) (۴:۶۶ تا ۶۸ ـ ۱۱۳ ـ ۱۳۴ ـ ۱۷۴) (۵:۶۶)
(۷:۹۶ ـ ۱۲۸ ـ ۱۵۶) (۱۶:۹۷) (۱۰:۶۴ ـ ۹۳) (۱۲:۵۶ ـ ۵۷)
(۱۱:۳ ـ ۱۵ ـ ۵۲) (۲۸:۱۴) (۲۰:۱۲۴) (۱۷:۶ ـ ۱۸)
(۱۶:۳۰ ـ ۳۸ ـ ۹۷ ـ ۱۲۲) (۲۹:۵۷) (۳۰:۳۹) (۳۴:۱۰)

(۱۰:۳۹) (۳۱:۴۱) (۲۶:۴۲) (۴۷:۵_۶) (۳:۶۱) (۷۱:۱۰ تا ۱۴) (۱۶:۷۲)

—— دنیا ایک آزمائش و امتحان گاہ ہے اور یہاں کی کارکردگی کا آخرت میں حساب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے انسان کے لئے ہدایت اور صراط مستقیم کے ذرائع خوب واضح کر دیئے ہیں۔ اس سلسلے میں انسان میں فطرتاً ودیعت کردہ عقل و شعور کے علاوہ آیات و بینات کائنات کے ساتھ ساتھ کتاب الہیہ اور رسولوں سے بھی کام لیا گیا ہے اور حق و ہدایت اور باطل و ضلالت کو الگ الگ خوب واضح کر دیا گیا ہے اور نتائج بھی خوب واضح کر دیئے گئے ہیں تاکہ انسان پر وضاحت حق کے باب میں پوری طرح اتمام صحبت ہو جائے (۹۲:۱۲) (۹:۱۶) (۲:۹۹_۱۵۹_۱۸۵_۲۱۳_۲۱۹_۲۲۱_۲۳۰_۲۵۶) (۵:۴۴ تا ۵۰) (۳:۳_۱۰۱_۱۰۸_۱۰۹_۱۱۸_۱۸۶_۱۹۳) (۶:۴۸_۱۲۶_۱۲۷_۱۳۰_۱۵۴) (۷:۲_۶_۳۵_۵۲_۵۳_۶۱_۶۲_۶۸_۷۳_۱۴۵_۲۰۳) (۹:۲۳_۱۲۸) (۱۰:۲_۲۴_۵۷ تا ۶۰_۹۴_۱۰۱_۱۰۸_۱۰۹) (۱۶:۱۰ تا ۱۸) (۱۱:۱۵) (۱۴:۱_۴_۹) (۱۳:۱ تا ۱۴) (۱۲:۱۰۵_۱۱۱) (۹۷:۱۹) (۱:۱۱) (۲۰:۲_۳_۴۲ تا ۴۴_۵۰_۱۱۳_۱۳۳) (۱۶:۳۵_۳۶_۴۳_۴۴_۶۴ تا ۷۶_۷۸ تا ۸۳_۱۰۲) (۱۷:۲_۹_۴۱_۱۰۵) (۱۸:۱ تا ۵_۲۹_۵۴_۵۶) (۲۱:۲_۷_۲۴_۳۰ تا ۳۳_۴۸_۷۳) (۲۳:۲۳_۳۲_۴۵_۴۹_۷۸) (۲۴:۱_۴۱ تا ۴۶_۶۱) (۲۵:۱_۳۱ تا ۳۳_۳۵) (۲۶:۷ تا ۹_۶۲_۶۸) (۲۷:۶_۶۰ تا ۶۵_۷۷_۷۸) (۲۸:۳_۴۳_۴۴_۵۱_۸۵) (۲۹:۴۷_۴۸_۵۱) (۳۰:۴۷_۵۸) (۳۱:۲_۳) (۳۲:۲_۳_۲۳_۲۴)

(۳۳:۲_۴_۴۵تا۴۸) (۳۴:۶_۲۸_۳۴_۴۳) (۳۵:۱۴_۲۴_۳۱_۳۲) (۳۶:۲تا۶_۳۳تا۴۴_۶۹_۷۰) (۳۷:۷۲_۷۳_۹۹_۱۱۷_۱۱۸) (۳۸:۱_۲۹_۷۰) (۳۹:۱تا۳_۲۳_۴۱_۶۵) (۴۰:۲_۲۲_۲۳_۳۴_۵۰_۵۳_۸۳) (۴۱:۲تا۴___۱۴تا۴۳___۴۴) (۴۲:۳_۱۳_۱۷___۵۲___۵۳) (۴۳:۲تا۴_۲۴_۴۴تا۴۷_۶۳_۶۴) (۴۴:۲_۳_۱۳_۵۸_۵۹) (۴۶:۲_۹_۱۲) (۴۵:۳تا۶_۱۱_۱۶_۱۸) (۴۸:۲_۸_۹_۲۸) (۵۰:۵_۲۸_۴۵) (۵۷:۲۵تا۲۷) (۵۱:۲۰تا۲۳_۵۰_۵۱) (۵۳:۴_۵_۲۳_۵۶) (۵۵:۱_۲) (۵۸:۵) (۵۶:۵۷تا۷۳_۷۷تا۸۱) (۶۱:۸_۹) (۶۲:۲تا۴_۳۶_۳۷) (۶۴:۶) (۶۵:۱۱) (۶۸:۵۲) (۶۹:۳۸تا۴۳_۴۸_۵۱) (۷۱:۱تا۴) (۷۲:۲) (۷۳:۱۵) (۷۴:۳۱_۳۶_۳۷) (۸۰:۱۱تا۱۶) (۸۷:۱۸_۱۹) (۹۸:۱تا۳) انسان پر اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کی پیروی فرض ہے لیکن انسان یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتا ہے۔ (۸۰:۲۳)

___ دنیا میں انسانی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ کون کیسا عمل کرتا ہے۔ (۷:۱۱) اور ہر کسی کا چھوٹے سے چھوٹا نیک عمل بھی صلہ پا کر رہے گا (۹:۱۲۱)

___ دنیا میں مبنی بر عدل قانون مکافات رو بعمل ہے۔ (۷:۹۷) (۶:۶) (۲:۵۹_۶۱_۶۵_۸۵_۱۵۵_۲۰۳_۲۱۰_۲۱۱) (۲۲:۳۲) (۳۶:۱۳ تا ۳۲) (۴:۱۶۰) (۵:۴۱ _ ۶۶) (۵:۳۳ _ ۴۱) (۳:۵۶_۱۳۳تا۱۳۶_۱۴۰تا۱۴۲_۱۴۵_۱۷۴) (۷:۱۵۲_۱۶۵_۱۶۶) (۸:۳۶_۳۷_۵۳_۵۴) (۹:۷۴_۸۵) (۱۳:۳۱_۳۴) (۱۴:۴۴_۴۵) (۱۶:۶۳) (۱۷:۷۵تا۷۷) (۲۰:۱۲۴_۱۲۷) (۲۲:۹) (۸:۳۳)

___ ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے جس کی بعثت کے بعد اس قوم کا فیصلہ پورے

انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ہر گز ظلم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی تاخیر کی جاتی ہے۔ (۱۰:۴۷۔۴۹)

—— دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی نعمت کو ہر طرح سے تمام کر دیا وہ انسان کو کسی تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا اس لئے عدل کا تقاضا یہ ہی ہے کہ انسان بھی اللہ سے کئے ہوئے عہد کو بمع تقاضوں کے پورا کرے (۵:۶۔۷) قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کو بار بار بطور مثال پیش کیا ہے کہ اللہ سے عہد توڑنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ (۳:۸۱) (۲:۴۰ تا ۴۴۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۸۳۔ ۸۴) (۴:۱۵۴۔ ۱۵۵) (۱۳:۲۵) (۵:۱۲ تا ۱۴۔ ۲۶۔ ۷۰۔ ۷۲) اور ساتھ ہی وضاحت بھی کی ہے کہ اپنے اعمال بد کے برے انجام سے کوئی نہیں بچ سکتا کوئی اللہ تعالیٰ کا لاڈلا اور چہیتا ہونے کا دعویٰ نہ کرے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم سے ایسا عہد نہیں کر رکھا جیسا کہ یہودی دعویٰ کرتے ہیں۔ (۲:۸۰۔ ۸۸۔ ۹۴ تا ۹۶۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲) (۳:۲۴۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹) (۵:۱۸) خاص طور پر یہودیوں کے اس زعم کی تردید کی گئی ہے کہ اگر وہ غیر یہود قوموں پر ظلم کریں گے بھی تو ان سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ (۳:۷۵)

—— دنیوی زندگی میں عدل و انصاف کی بنیاد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک جان سے پیدا کیا ہے لہٰذا ہر ایک برابر حقوق رکھتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم ہے جس کا واسطہ دے کر انسان باہم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہیں۔ (۴:۱)

—— اللہ تعالیٰ ہر طریقے سے اتمام حجت کرتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو ایسی سخت سزا دیتا ہے جو کسی کو نہیں دی گئی ہوتی یہ ہی عدل کا تقاضا ہے۔ (۵:۱۱۵) (۶:۸ تا ۱۰)

—— اللہ تعالیٰ کا بے مثال عدل کہ اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو بھی ان کا

نوشتہ تقدیر دیتا ہے یہ رعایت ایک خاص وقت تک کے لئے ہے اس کے بعد ان کتمان حق سرگرمیوں کا جواب دینا ہو گا۔ (۷:۳۷ تا ۳۹)

—— اللہ کا بے مثال عدل کہ وہ حق کو واضح تر کر دیتا ہے تاکہ جس نے ماننا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ مانے اور جس نے انکار کرنا ہے وہ بھی سمجھ لے۔ (۸:۴۲)

—— انسان ضرور جلد باز ہے لیکن اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلد بازی نہیں کرتا (۱۰:۱۱)

—— آخری فتح حق ہی کی ہوتی ہے کیونکہ یہ عدل کا تقاضا ہے۔ (۹:۳۳_۴۸) (۵۸:۱۹ تا ۲۱) (۱۴:۴۷) (۶۱:۱۴) (۳۴:۱۷۱ _ ۱۷۲) (۳۴:۴۹) (۳۰:۴۷) (۲۸:۳۵) (۱۷:۷۵ تا ۷۷_۸۱)

—— اللہ تعالیٰ راہ حق میں ہر عمل کا خوب سے خوب تر بدلہ دیتا ہے۔ (۹:۱۱۹ تا ۱۲۱)

—— اللہ ہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کی جائے۔ (۱۰:۳۵)

—— اللہ تعالیٰ کا بے مثال عدل کہ انجام کار صرف متقین ہی کے لئے بہترین ہے۔ (۱۱:۴۹) (۷:۱۲۸) (۱۸:۴۶) (۱۹:۷۶) (۲۰:۱۳۱) (۱۲:۱۰۹) (۱۳:۲۴ _ ۲۹) (۳۷:۷۳ _ ۷۴) (۲۸:۸۳) (۲۰:۱۳۲) اور ظالمین کا انجام بد ہی آخر کار مقدر ہے۔ (۳:۱۳۷) (۶:۱۱) (۷:۸۴ _ ۸۶ _ ۱۰۳) (۴۳:۲۵) (۲۸:۴۰) (۲۷:۱۴) (۱۶:۳۶) (۱۰:۳۹)

—— ظالم و معذوب قوم کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو اٹھاتا ہے۔ (۱۱:۵۷)

—— کسی قوم پر جب نزول عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔ قوم یونس پر عذاب الٰہی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے خود موخر کر دیا اور انہیں مزید

مہلت دی کیونکہ ان کے پیغمبر نے مکمل اتمام حجت نہ کی تھی یہ بات عدل خداوندی کو گوارا نہ ہوئی چنانچہ ان پر عذاب ٹال کر انہیں مزید مہلت دی گئی۔ (۷۶.۱۱) (۹۸.۱۰)

___ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف سے مداخلت کرتا ہے اور اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرتے ہیں۔ (۳۸.۲۲ تا ۴۰)

___ عدل خداوندی کی ایک اور مثال کہ وہ اپنے انبیاء کی حفاظت کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کو عذاب الٰہی سے بچالیتا ہے اور باقی تمام قوم کو عذاب میں پکڑلیتا ہے۔ (۴۰.۱۱ـ۵۸ـ۶۶ـ۸۱ـ۹۴ـ۱۱۶) (۷۳.۱۰ـ۹۰) (۱۱۰.۱۲) (۵۸.۱۵ـ۵۹ـ۶۵) (۱۵.۲۲) (۱۴.۲۹ـ۱۵ـ۳۲ـ۳۳) (۶۹.۲۱ تا ۷۱ـ ۷۴ـ ۷۷ـ ۸۸) (۵۳.۲۷ـ ۵۷) (۹۸.۳۷ ـ ۱۳۴) (۲۵.۴۸) (۳۵.۵۱) (۳۴.۵۴) (۱۶۵.۷)

___ کفر کرنے والوں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی رہتی ہے یا ان کے گھروں کے ارد گرد نازل ہوتی رہتی ہے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کا وعدہ برحق پورا ہونے کا وقت آجائے۔ (۳۱.۱۳ـ۳۲) (۴۷.۵۲)

___ راستی سے ہٹ کر جو بھی ظلم اور غیر عادلانہ رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب کا مزہ چکھائے گا۔ (۲۵.۲۲)

___ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی زیادتیوں کے باوجود مہلت دیتا ہے لیکن جب مہلت عمل پوری ہوتی ہے تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکتا خواہ وہ دنیوی عذاب ہو یا قیامت کی گھڑی ہو۔ (۶۱.۱۶) (۵۸.۱۵) (۷۵.۱۹) (۱۲۹.۲۰)

___ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف نہیں بدلتی (۱۱.۱۳)

— جس بستی کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اس کے لئے ایک خاص مہلت عمل مقرر تھی نہ کوئی قوم اپنی مہلت سے پہلے ہلاک کی جاتی ہے اور نہ ہی مہلت ختم ہونے پر بچ سکتی ہے۔ (۱۵: ۴-۵)

— اللہ تعالیٰ کا عادلانہ فیصلہ کہ جو اللہ کے احکام کی اطاعت کریں گے انہیں وہ زمین میں خلافت و حکومت عطا کرے گا اور ان کی حالت خوف کو حالت امن سے بدل دے گا۔ (۲۴: ۵۵ تا ۵۷)

— اللہ تعالیٰ چاہے تو آسمان سے ایسی نشانی اتار سکتا ہے کہ منکرین حق کی گردنیں جھک جائیں لیکن آزمائش و امتحان کے عادلانہ تقاضے پورے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا ہے۔ (۲۶: ۴)

— اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہے وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے (۳۹: ۲۰) (۳۰: ۶-۶۰) (۳۸: ۱۳)

— اللہ تعالیٰ نے اپنی چھپی اور ظاہر نعمتیں انسان پر تمام و مسخر کر رکھی ہیں اب انسان کے لئے عادلانہ رویہ یہ ہے کہ احکام خداوندی کی پیروی کرے۔ (۳۱: ۲۰-۲۱)

— حق تعالیٰ عزو جل اخروی عذاب اکبر سے پہلے دنیا میں عذاب ادنیٰ کے ذریعے تنبیہ کرتا رہتا ہے۔ (۳۲: ۲۱)

— اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ قرآن حکیم اور میزان نازل فرمائی اور ترازو کی طرح ٹھیک تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، عدل اور ظلم اور راستی اور ناراستی کا فرق بالکل واضح کر دیا ہے۔ (۴۲: ۱۷-۲۱)

— انسان پر جو مصیبت آتی ہے اس کی اپنی کمائی ہوتی ہے ابھی تو اللہ اس کے بہت سے قصوروں کو معاف کر دیتا ہے۔ (۴۲: ۳۰)

— اللہ کا بے مثال عدل کہ کافروں کو ان کی حرکتوں پر فوراً مٹا نہیں دیتا بلکہ انہیں ان کے حصے کا رزق دیئے جاتا ہے اور ساتھ میں حق کے ساتھ

کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول بھی بھیجتا ہے۔ (۴۳: ۲۹۔ ۳۰)

—— انسانوں میں معیشت کی تقسیم عین مبنی بر عدل ہے لیکن اللہ کی رحمت اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو یہ رئیس و امراء سمیٹ رہے ہیں (۴۳: ۳۲)

—— اہل ایمان جو نیک عمل کر رہے ہیں اور برائیوں کا ارتکاب کرنے والے برابر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (۴۵: ۲۱)

—— دنیا دار الامتحان ہے جہاں پر قدم قدم پر آزمائش ہے۔ (۴۷: ۴۔ ۳۱) (۱۸: ۷)

—— اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اللہ ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا وہ تو خود رزاق، بڑی قوت والا اور زبردست ہے کفار کا انجام کار تباہی ہے جیسا کہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ (۵۱: ۵۶ تا ۶۱)

—— ہر معاملے کو آخر کار ایک انجام تک پہنچنا ہے اس دنیا کا بھی انجام قیامت کی شکل میں ہونا ہے (۵۴: ۳)

—— اس زمین کی ہر چیز فنا ہو کر رہے گی اور صرف ذات رب جلیل و کریم ہی باقی رہنے والی ہے۔ (۵۵: ۲۶۔ ۲۷)

—— دنیا میں نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ (۵۵: ۶۰)

—— انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کو حق تعالیٰ اپنا قرض خواہ قرار دیتا ہے اور کئی گنا بڑھا کر اجر دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ (۵۷: ۱۱۔ ۱۸) (۶۴: ۱۷) (۷۳: ۲۰)

—— کفار اللہ کا نور پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اللہ کا نور پھیل ہی کر رہے گا خواہ کفار کو کتنا ناگوار گزرے۔ (۶۱: ۸)

—— اللہ تعالیٰ کا بے لاگ انصاف کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کے

حق میں ان کے شوہر کچھ کام نہ آسکے اور دوسری طرف فرعون لعین کی بیوی اپنے ایمان کے باعث اعلیٰ مقام پا گئی۔ (۶۶: ۱۰ تا ۱۱)

— متقین و مسلمین کا انجام کفار و مجرمین جیسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ (۶۸: ۳۴ تا ۳۶)

— اللہ تعالیٰ ظالموں کے لئے ہلاکت و تباہی کے علاوہ اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا ہے۔ (۷۱: ۲۸)

— اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا، تناسب قائم کیا، تقدیر بنائی اور راہ راست واضح کی (۸۷: ۲۔۳)

— عزت و نعمت اور تنگی و ترشی ہر حال میں انسان آزمائش سے گزر رہا ہے۔ (۸۹: ۱۵ تا ۲۰)

— انسان کو اللہ تعالیٰ نے مشقت میں پیدا کیا ہے یعنی دنیوی زندگی انسان کے لئے مزے کرنے اور چین کی بانسری بجانے کی جگہ نہیں ہے بلکہ محنت اور مشقت کرنے کی جگہ ہے کوئی بھی انسان ان حالات سے گزرے بغیر نہیں رہ سکتا (۹۰: ۴)

— اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم، عقل، دماغ، حواس، قوتیں اور قابلیتیں فراہم کیں اور بدی اور نیکی کی راہیں الگ الگ واضح کیں۔ (۹۰: ۸ تا ۱۰) (۹۱: ۷۔ ۸) (۹۳: ۷) (۹۵: ۴) (۹۸: ۱ تا ۵)

— جس طرح دن رات اور نر مادہ ایک دوسرے سے مختلف اور ان کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں اسی طرح انسان کے اعمال و مقاصد بھی نوعیت کے اعتبار سے متضاد ہیں انسان نیک راستہ یا گمراہی کا راستہ جو چاہے اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے پسند کردہ راستے کے مطابق سہولت اور توفیق دے دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ درست اور برحق راستہ بتانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ (۹۲: ۱ تا ۱۲)

—— جس بستی میں اصلاح کرنے والے موجود نہ ہوں یا Inactive ہو جائیں تو اس ظالم بستی کو اللہ تعالیٰ تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ (۱۱:۱۱۶ـ۱۱۷)

—— اسلام باہمی عدل و کرم کو انسانی بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اسے اخوت دینی کا پابند بھی نہیں بناتا (۶۰:۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "زمین پر بسنے والوں پر رحم کرو تو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا (ابو داؤد ـ ترمذی)

—— اللہ تعالیٰ مظلوم کی ضرور مدد کرے گا یہ ہی عدل خداوندی کا تقاضا ہے۔ (۲۲:۶۰)

—— اللہ تعالیٰ مجرمین کو ضرور سزا دے کر رہے گا۔ (۹:۶۶)

—— دنیوی شان و شوکت اور مال و دولت تو آزمائش ہیں۔ (۲۰:۱۳۱)

—— انسان جو بھلائی کرتا ہے وہ اس کی ذات ہی کے لئے ہے اور جو برائی کرتا ہے وہ بھی اس کی ذات کے لئے برائی ثابت ہوتی ہے۔ (۱۷:۷ـ۱۵)

—— انسان پر اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی پیروی فرض ہے لیکن انسان اسے پورا نہیں کرتا (۸۰:۲۳)

—— انسان نے خلافت الہیہ کا جو بار امانت اٹھایا ہے اس کا یہ بدیہی تقاضا ہے کہ اہل ایمان کو انعام و اکرام اور کفار و مشرکین اور منافقین کو سزا ملے۔ (۳۳:۷۳)

—— ہر معاملے کو آخر کار ایک انجام پر پہنچنا ہے اسی طرح اس دنیا کا بھی انجام آخرت مقدر کیا جا چکا ہے۔ (۵۴:۳) جب عدل و انصاف کیا جائے گا (۳۹:۳۰ تا ۳۲)

—— تمام معاملات اللہ کی طرف فیصلے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ (۵۷:۵)

—— انسان حق گریز رویے اور ناشکری اور سرکشی کے رویے پر اڑا ہوا ہے جو شخص منہ اوندھے چل رہا ہو وہ سیدھے راہ پر سر اٹھائے چلنے والے کے برابر کیونکر

ہو سکتا ہے۔ (۲۲:۶۷)

___ اللہ تعالیٰ ظالموں کے لئے ہلاکت و تباہی کے علاوہ اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا (۲۸:۷۱)

___ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اسے کسی حق تلفی اور ظلم کا خوف نہیں ہونا چاہیئے (۱۳:۷۲)

___ انسان تو چاہتا ہے کہ اللہ ان کی سرکشان حق سرگرمیوں سے بیزار ہو کر درس نصیحت بھیجنا بند کر دے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ (۵:۴۳)

غرض ہماری اس دنیا میں انسانی تخلیق و پرورش سے لے کر انسان کے اس عارضی دنیوی قیام کے ہر ہر پہلو میں خدائے عادل کا عدل کار فرما ہے۔ آپ کسی جگہ انگلی رکھ کر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بجائے اگر یوں ہوتا تو عدل کے تقاضے زیادہ پورے ہوتے۔ افراد سے لے کر اقوام تک ہر کسی سے اللہ تعالیٰ ایک واحد اصول عدل کے تحت معاملہ روا رکھتا ہے۔ اگر نوازتا ہے تو وہ بھی انسان کی کارکردگی کا صلہ ہوتا ہے اور اگر پکڑتا ہے تو وہ بھی انسان کی اپنی گمراہی کا سبب ہوتا ہے۔ انسان کی اپنی فطرت، اس کا ضمیر، مظاہر قدرت، کتب الٰہیہ اور انبیاء کرام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح کر دیا ہے اور اسی طرح باطل کو بھی اور پھر حق و باطل کے جملہ اچھے اور برے نتائج بھی واضح کر دیئے ہیں جن کے لئے عقلی دلائل کے ساتھ امثال القرآن اور سب سے بڑھ کر انسانی تاریخ سے اچھی اور بری مثالیں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں اور پھر ساتھ میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی مکمل جزا و سزا دنیا میں ہی مل جانا ممکن نہیں ہے یہ ہی مشیت الٰہی ہے اس کے لئے اخروی جزا و سزا تک معاملہ موخر کر دیا گیا ہے جہاں پر انسان کے اچھے اور برے اعمال گن کر نہیں بلکہ تول کر اسے جزا و سزا دی جائے گی۔ اس بات کو بھی سمجھ لیا جانا چاہیئے کہ اگر اس دنیوی امتحان گاہ میں ہر نیک اور برے عمل کا بدلہ ساتھ ہی ساتھ ملتا جائے تو کون نیکی چھوڑ کر برائی اختیار کرے گا اور پھر آزمائش کس بات کی ہو گی۔ محض اشارۃً۔ اور مثال کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات دنیا میں نیکی کا نیک بدلہ اور برائی کا برا بدلہ دیتا ہے لیکن

ہم خود دیکھتے ہیں کہ نیک لوگ ساری زندگی تڑپتے گزار دیتے ہیں اور مقابلتاً برے لوگ داد عیش دیتے پھرتے ہیں۔ حکمت خداوندی اور مشیت الٰہی کے تحت نیک عمل کی جزا اور برے عمل کی سزا اخروی زندگی تک کے لئے موخر کر دی گئی ہے۔ اس اخروی عدل کی تفصیلات کے لئے اگلا باب نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

باب ۴

اخروی زندگی میں عدل خداوندی

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ قرآن حکیم کا پیش کردہ عقیدہ آخرت ہے کیا؟

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں تحریر فرمایا "آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں :۔

(۱) یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۲) یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا، اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۴) یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(۵) یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی اور بدحالی نہیں ہے، بلکہ

در حقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

(تفہیم القرآن جلد اول صفحات ۵۱ اور ۵۲)

عقیدہ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ابھرتا ہے، جس کی بدولت وہ اس بے مہار جانور کی طرح نہیں ہو جاتے جو چراگاہ میں چھوٹا پھر رہا ہو، بلکہ اس انسان کی طرح ہو جاتے ہیں جسے یہ شعور حاصل ہو کہ میں خود مختار نہیں ہوں، کسی آقا کا بندہ ہوں اور اپنی ساری کارگزاریوں پر اپنے آقا کے سامنے مجھے ایک وقت مقررہ پر جواب دہی کرنی ہے۔

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں آگے چل کر تحریر فرمایا ہے:

"یہ دنیا کوئی بے مقصد اور بے معنی گھروندا نہیں ہے جس میں لاکھوں کروڑوں برس سے ایک بہت بڑا کھیل بس یوں ہی الل ٹپ ہوئے جا رہا ہو، بلکہ یہ در حقیقت ایک کمال درجے کا حکیمانہ نظام ہے جس میں ہر کام کسی مقصد اور کسی مصلحت کے لئے ہو رہا ہے۔ اس حکیمانہ نظام میں یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہاں انسان جیسی ایک مخلوق کو عقل، شعور، تمیز اور تصرف کے اختیارات دے کر، اس میں نیکی و بدی کی اخلاقی حس پیدا کر کے، اور اسے ہر طرح کے اچھے اور برے، صحیح اور غلط کاموں کا موقع دے کر، زمین میں ترکتازیاں کرنے کے لئے محض فضول اور لایعنی طریقے سے چھوڑ دیا جائے، اور اس سے کبھی یہ باز پرس نہ ہو کہ دل و دماغ اور جسم کی جو قوتیں اسے دی گئی تھیں، دنیا میں کام کرنے کے جو وسیع ذرائع اس کے حوالے کئے گئے تھے، اور خدا کی بے شمار مخلوقات پر تصرف کے جو اختیارات اسے دیئے گئے تھے، ان کو اس نے کس طرح استعمال کیا؟ جس نظام کائنات میں سب کچھ بامقصد ہے، اس میں صرف انسان جیسی عظیم مخلوق کی تخلیق کیونکر بے مقصد ہو سکتی ہے؟ جس نظام میں ہر چیز مبنی بر حکمت ہے اس میں تنہا ایک انسان ہی کی تخلیق کیسے فضول اور عبث ہو سکتی ہے؟ مخلوقات کی جو اقسام عقل و شعور نہیں رکھتیں ان کی تخلیق کی مصلحت تو اسی عالم طبیعی میں پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنی مدت عمر ختم ہونے کے بعد ضائع کر دی

جائیں تو یہ عین معقول بات ہے کیونکہ انہیں کوئی اختیارات دیئے ہی نہیں گئے تھے کہ ان سے محاسبے کا کوئی سوال پیدا ہو۔ مگر عقل و شعور اور اختیارات رکھنے والی مخلوق، جس کے افعال محض عالم طبیعی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اخلاقی نوعیت و اثرات بھی رکھتے ہیں، اور جس کے اخلاقی نتائج پیدا کرنے والے اعمال کا سلسلہ محض دنیوی زندگی کی آخری ساعت تک ہی نہیں چلتا بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی اخلاقی نتائج مرتب ہوتے رہتے ہیں، اسے صرف اس کا طبیعی کام ختم ہونے کے بعد نباتات و حیوانات کی طرح کیسے ضائع کیا جا سکتا ہے؟ اس نے اپنے اختیار و ارادہ سے جو نیکی یا بدی بھی کی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک مبنی بر حق و انصاف جزاء اس کو لازمی ملنی چاہئے کیونکہ یہ اس مصلحت کا بنیادی تقاضا ہے جس کے تحت دوسری مخلوقات کے برعکس اس کو ذی اختیار مخلوق بنایا گیا ہے۔ اس سے محاسبہ نہ ہو، اس کے اخلاقی اعمال پر جزا و سزا نہ ہو اور اس کو بھی بے اختیار مخلوقات کی طرح عمر طبیعی ختم ہونے پر ضائع کر دیا جائے تو لامحالہ اس کی تخلیق سراسر عبث ہوگی اور ایک حکیم سے فعل عبث کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحات ۳۳ــ۱۳۴)

ایک اور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں عقیدہ آخرت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا: "خدا نے یہ دنیا بے غایت و بے مقصد نہیں بنائی ہے۔ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل اور بازیچہ اطفال نہیں ہے بلکہ اس کی ایک ایک چیز کے اندر وہ قدرت و حکمت نمایاں ہے جو شاہد ہے کہ اس کا خالق حکیم و قدیر ہے۔ ایک حکیم و قدیر خالق کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی عبث، باطل اور بے مقصد کام کرے۔ اس کے بامقصد اور باغایت ہونے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن ضرور لائے جس دن سب اس کی طرف لوٹیں اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ تمام کارخانہ بالکل عبث اور بے غایت کھیل بن کر رہ جاتا ہے اور اس حقیقت کو سورۂ مومنون کی آیت ۱۱۵ میں یوں واضح کیا گیا ہے (کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے) صفحہ ۶۳۶ جلد سوم "تدبر

قرآن"

مولانا امین احسن اصلاحی نے آگے چل کر اخروی جزا و سزا کو صفات الٰہیہ کا لازمی تقاضا قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

"یعنی اگر تم جزا و سزا سے بے پرواہ بیٹھے ہو تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم اسی طرح شتر بے مہار چھوٹے پھرو گے اور ایک دن مر جاؤ گے اور تمہاری واپسی ہماری طرف نہیں ہونی چاہئے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے یہ سمجھا ہے تو ہمیں (اللہ تعالیٰ کو) کو تم نے بہت غلط سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی رعیت کے درمیان عدل و انصاف نہ کرے اور ظالم و مظلوم کو اکٹھا کر دے، اس خدائے بزرگ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے اس لئے یہ مغالطہ بھی نہ رہے کہ کسی غیر اللہ کی سعی و سفارش سے بچ جاؤ گے وہ خدا تعالیٰ تو ایک باعزت اور بافیض عرش کا خداوند ہے تو اس کی حکومت ایک اندھیر نگری کیونکر ہو سکتی ہے؟

(صفحہ ۴۸۸ جلد چہارم۔ تدبر قرآن)

مفسرین کرام کی زبانی عقیدہ آخرت کی تشریح کے بعد ہم قرآن حکیم میں اس اخروی عدالت کی خصوصیات بیان کرتے ہیں:

— اللہ تعالیٰ کا آخرت میں جاری ہونے والا مثالی عدل و انصاف جس میں ہر شخص کو بلا کم و کاست اس کے دنیوی اعمال کے لحاظ سے بدلہ ملے گا۔ (۳۹:۷۰) (۷:۸)

— اس اخروی عدل و انصاف کی مندرجہ ذیل صفات قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیں ہیں:۔

(i) اس اخروی عدالت کی اولین صفت یہ ہے کہ یہ واقع ہو کر رہے گی یہ خدائے بزرگ کا وعدہ ہے اور اس سے بڑھ کر اپنے وعدے کا پابند اور کوئی نہیں ہے۔ یہ ہی عقل کا بھی تقاضا ہے، یہ ہی کائنات کی برحق تخلیق کا تقاضا ہے، یہ ہی انسان کو دیئے گئے

عقل و شعور کا تقاضا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ انسان سے اس کے دنیوی اعمال پر جواب دہی کی جائے کیونکہ دنیوی اعمال کا دنیا میں ہی بدلہ مل جانا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی خالق کائنات کی حکمت کا ایسا تقاضا ہے۔ اس اخروی عدالت کی واقعیت پر قرآن حکیم نے اخلاقی، آفاقی، تاریخی دلائل دیئے ہیں، امثال القرآن بیان کی ہیں اور جگہ جگہ قسم کھا کر اس دن کے واقع ہونے پر ہر طرح کے شکوک و شبہات دور کیے گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ کریں:۔

(۲:۲۰۳) (۳:۲۵_۵۵) (۵:۱۰۵_۱۱۹) (۱۳:۲_۳۱_۳۲) (۶:۲
_۱۲_۲۹ تا ۳۱_۶۰_۶۱_۷۳_۱۰۸_۱۳۴_۱۶۴) (۲۵:۱۱) (۱۵:۲۵
_۸۵_۹۳_۹۹) (۱۶:۳۸_۴۰_۵۵_۷۷_۹۳) (۱۷:۱۰_۴۹ تا ۵۲
_۹۹_۱۰۳) (۱۸:۲۱_۴۷ تا ۴۹_۹۸_۹۹) (۱۹:۸۰_۹۵)
(۲۱:۳۴) (۲۹:۱۴ تا ۴۰) (۳۴:۳ تا ۵) (۳:۱۲) (۷:۱۲۵_۱۸۷)
(۸:۴۱) (۱۰:۴_۵۵_۵۶) (۱۱:۱۰۳_۱۱۱) (۲۰:۱۵_۵۵_۱۰۸)
(۲۱:۱_۳۹_۴۰_۹۳_۹۷_۱۰۳_۱۰۴) (۲۲:۱_۶_۷) (۲۳:۱۶_
۱۱۵) (۲۴:۳۷_۴۲_۶۴) (۳۰:۴۳_۵۰_۵۵_۵۶) (۴۱:۷_
۴۷_۵۴) (۵۳:۴۲_۴۷) (۳۱:۱۴_۱۵_۲۳_۳۳_۳۴)
(۳۳:۶۳_۶۴) (۳۴:۳_۳۰) (۳۵:۵) (۳۶:۱۲_۴۸ تا ۵۲_
۸۳) (۳۷:۱۹) (۳۹:۷_۳۰_۳۱) (۴۰:۳_۴۳) (۴۲:۱۵_
۴۷) (۴۳:۸۵) (۴۵:۳۲) (۵۰:۴۲) (۵۱:۱ تا ۶) (۵۲:۷)
(۵۴:۱) (۵۶:۱ تا ۷_۴۹_۵۰_۹۵) (۵۸:۹) (۶۷:۱۵_۲۴) (۶۹:۱
تا ۳) (۷۰:۱_۶_۷_۴۲_۴۴) (۷۳:۱۸) (۷۸:۱۷) (۸۳:۵_
۶) (۸۴:۶_۱۴) (۸۶:۸) (۸۸:۲۵) (۹۶:۸) (۱۰۱:۱ تا ۳)

— وجوب آخرت پر اقسام القرآن کہ ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ (۶۴:۷)
(۱۵:۹۲) (۱۹:۶۸) (۳۴:۳) (۵۰:۱) (۵۱:۱ تا ۶) (۵۱:۷ تا ۹)

_۲۳) (۷تا۱:۵۲) (۷:۶۴) (۴تا۱:۷۵) (۷تا۱:۷۷) (۱:۷۹
تا۹) (۱۹تا۱۶:۸۴) (۱۳تا۱۱:۸۶)

(ii) اس روز ہر شخص کو اس کے دنیوی اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا جیسا عمل ہو گا ویسا ہی بدلہ ملے گا اور کوئی بھی شخص جرم کے بدلے کچھ بھی دے کر نہیں چھوٹ سکے گا۔
(۳۴:۲۱) (۵۴:۱۰) (۷۹:۱۲) (۷۰:۶) (۴۸:۲) (۱۲۳:۲)
(۱۴۷:۷) (۸۱_۶۲:۲) (۲۸۱_۲۱۲:۲) (۱۸۵_۱۶۱_۳۰_۲۵:۳)
(۱۲۰:۶) (۱۴۷:۷) (۱۱۱:۱۶) (۶۲:۲۳) (۳۳:۳۴) (۲۸:۴۱)
(۲۸:۴۵) (۱۹:۴۶) (۱۶:۵۲) (۳۱:۵۳) (۷:۶۶)

(iii) کوئی کسی قسم کی دولت، رشوت، رشتہ داری اور سفارش و شفاعت استعمال کر کے بھی نہ بچ سکے گا اور کوئی بھی کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ (۴۸:۷۴) (۷۰_۵۱:۶)
(۱۶تا۱۴:۱۳) (۱۸:۴۰) (۸۷_۸۶:۴۳) (۱۳:۳۰) (۱۸_۳:۱۰)
(۱۰۱:۲۳) (۳۴:۸۰) (۳۳:۳۱) (۱۷۱:۲۶) (۳۳_۳۲:۲۹)
(۴۷:۳۹) (۸۹_۸۸:۲۶) (۲۳:۳۴) (۲۶:۵۳) (۶:۶۳)
(۸۰:۹) (۴۷_۴۶_۳۷:۱۱) (۲۵:۲۹) (۳۶:۵) (۱۸:۱۳)
(۳۱:۱۴) (۸۷:۱۹) (۱۰۹:۲۰) (۱۰۱_۱۰۰_۸۹_۸۸:۲۶)
(۶:۳۲) (۲۳:۳۴) (۲۳:۳۶) (۴۴_۴۳:۳۹) (۱۸:۴۰)
(۸۶:۴۳) (۴۱:۴۴) (۴۶:۵۲) (۲۶:۵۳) (۱۷:۵۸) (۳:۶۰)
(۱۵تا۱۱:۷۰) (۴۸:۷۴) (۳۶تا۳۴:۸۰) (۱۰:۸۶) (۵۲_۲:۱۰)
(۴۸:۲_۸۶_۱۲۳_۱۶۶_۲۵۴_۲۵۵)

(vi) کوئی کسی دوسرے کے عمل کی جزا و سزا نہ پا سکے گا ہر ایک اپنے عمل کا بذات خود جواب دہ ہو گا اور اپنی سعی دنیا کا خود ہی بدلہ پائے گا۔ (۱۳۴:۲_۱۳۹_۱۴۱_
۱۴۹_۲۱۹_۲۸۶) (۱۸:۳۵_۳۹) (۶۹:۶_۱۶۴) (۳۴:۲۱)
(۱۱۱:۴) (۴۱:۱۰) (۱۵:۱۷) (۱۵:۲۰) (۱۵:۱۴) (۱۵:۲۵_۱۶)

(۷:۳۹) (۳۸:۵۳ تا ۴۱) اور اس کے لئے انسان کا ہر عمل باقاعدہ درج ہو رہا ہے۔
(۶۱:۷) (۸:۱۳ تا ۱۰) (۱۵:۲۴) (۲۱:۹۴) (۲۳:۶۲) (۲۷:۸۸ـ ۹۳)
(۳۴:۱۱) (۵۰:۱۶ تا ۱۸) (۵۴:۵۵) (۵۷:۴) (۵۸:۶) (۷۸:۲۷)
(۸۲:۱۰ تا ۱۲) (۸۳:۷ تا ۹ـ ۱۸ تا ۲۱) اور میدان حشر میں ہر شخص کا عمل جوہری اور مادی شکل میں موجود ہو گا۔ (۷:۹) (۱۸:۴۹) (۹۹:۷ـ ۸) اور میزان عدل میں تول تول کر عدل و انصاف کے ساتھ جزا و سزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (۷:۷ـ ۸) (۲۱:۴۷)
(۱۰۱:۶ تا ۸) (۵۵:۹) (۳:۱۶۱) (۱۷:۱۳) (۲:۱۲۳) (۲:۴۸) (۲۲:۷۰)
(۳۱:۱۶) (۱۸:۴۹) رائی کے برابر عمل وہ خواہ کہیں چھپا ہوا ہو اللہ تعالیٰ لا حاضر کرے گا۔ (۳۲:۱۱) (۳۴:۲ـ ۳) (۳۶:۱۲) (۴۵:۲۸) (۵۰:۴)

(v) روز قیامت تمام اختیارات صرف اللہ کو حاصل ہوں گے اور وہ صحیح صحیح اور برحق عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کر دے گا اور کسی کا اجر بھی ہرگز ضائع نہ ہو گا۔
(۳۹:۶۹ـ ۷۰) (۱۰:۴ـ ۵۴) (۲۲:۱۰) (۲۴:۲۵) (۱۰۱:۶ تا ۹)
(۲۰:۱۱۲) (۲۱:۴۷) (۲:۱۱۰ـ ۱۱۲ـ ۲۸۴) (۳:۱۷۱ـ ۱۷۲)
(۷:۸) (۱۰:۵۴) (۴:۴۰ـ ۷۷ـ ۱۲۳ـ ۱۴۱) اللہ تعالیٰ ٹھیک عدل کے مطابق فیصلہ کر دے گا کہ وہ فتاح العلیم ہے۔ (۳۴:۲۶)

ـــــ مجرمین جو مستحق جہنم ہو چکے ہوں گے ایک اور موقع مانگیں گے لیکن چونکہ یہ بات عدل خداوندی کے خلاف ہے اس لئے ان کی درخواست رد کر دی جائے گی۔ (۲۶:۱۰۲) (۳۹:۵۸ـ ۵۹) (۶:۲۷ تا ۲۹) (۷:۵۳)
(۱۴:۴۴ـ ۴۵) (۳۵:۳۷) (۲۳:۹۸ تا ۱۰۰) (۳۲:۱۲ تا ۱۴)
(۴۰:۱۰ تا ۱۲) (۴۲:۴۴)

(vi) دوسروں کو دنیا میں گمراہی میں مبتلا کرنے والے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے (۲۹:۱۲ـ ۱۳) (۳۹:۷) (۵۳:۳۸ تا ۴۱)

یہ ہیں اخروی عدالت کی چند خصوصیات جن کو ہم نے قرآن حکیم کے حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن حکیم نے اس عدالت کے بارے میں فرمایا ہے۔ کہ :۔

—— انسان کی تخلیق، پرورش کا اہتمام اور انسان میں خیر و شر کے امتیاز کا وصف یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان عدل کے شعور سے عاری نہیں ہے وہ نیک و بد کو ایک جیسا نہیں سمجھتا اور اس ہی لئے ضروری ہے کہ خالق کائنات ایک ایسا دن لائے جب نیک و بد کے ساتھ ان کے دنیوی عمل کے مطابق معاملہ کیا جائے لیکن انکار آخرت عدل کے اس فطری شعور کو دبا دیتا ہے۔ (۲.۸۳ ـ ۳) (۳۰:۳۰) (۷۷.۲۵ تا ۲۸) (۱۰۷.۱ تا ۲) (۷۸.۶ تا ۱۷)

—— دین بمعنی یوم عدل، محاسبہ اور مکافات عمل۔ (۳۷:۲۰) (۳۸:۷۸) (۵۱:۶) (۱۰۷:۱ تا ۳) (۸۲:۱۷ تا ۱۹)

—— قوانین و احکام خداوندی حدود اللہ ہیں ان پر عمل اطاعت خدا تعالیٰ اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے عمل کرنے والوں کو جنت جیسی عظیم کامیابی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو ذلیل کر دینے والا عذاب ملے گا۔ (۴:۱۳ـ۱۴)

—— قرآن حکیم کی عدل پسندی کہ وہ جزا و سزا کے منکرین کو پوچھتا ہے کہ دنیوی زندگی میں فرمانبردار مسلمان اور مجرم کفار کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ (۶۸:۳۴ـ۳۵)

—— اللہ تعالیٰ ابدی سلامتی و امن کے گھر (جنت) کی طرف دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس گھر کی طرف جانے والی سیدھی راہ کی توفیق انہی کو دیتا ہے جو سنت الٰہی کے مطابق اس کے اہل ٹھہرتے ہیں یہ سنت الٰہی تمام تر عدل و قسط پر مبنی ہے اور ان لوگوں کا مقدر ہے جو دنیا میں نیکی و احسان کی روش اختیار

کرتے ہیں ان کے لئے رب اعلیٰ کے پاس نیکی کا بہتر بدلہ ہو گا اور مزید انعام بھی ہو گا۔ (۶:۱۶۰) میں اس کو دس گنا تک بتایا گیا ہے جبکہ بدی اور برائی کا بدلہ پورے انصاف کے ساتھ برابر ہی ہو گا اور کوئی زیادتی نہ ہو گی خدائے رحمان کے عدل و قسط کا کیا کہنا! (۲۷:۸۹ ـ ۹۰) (۴۰:۴۰) (۷۸:۳۶) (۲۸:۸۴) (۱۰:۴)

— اسلام کا نظام حق و عدل دو بنیادی ستونوں پر قائم ہے۔ ایک وحدت الٰہیہ یعنی توحید اور دوم وحدت آدم۔ اگر یہ دونوں بنیادیں ڈھا دی جائیں تو صالح معاشرہ اور تمدن وجود میں نہیں آ سکتا اس لئے عہد فطرت کا اقرار کرنے اور اس کو باندھنے کے بعد اس کو توڑنا اور رشتہ رحم کو توڑنے سے زمین میں فساد پھیلتا ہے ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کے لئے دار آخرت کی رسوائی مقدر ہے۔ (۱۳:۲۵)

— دنیوی زندگی ایک روز ختم ہونی ہے اور حق و باطل کا معاملہ عدل و انصاف کے لئے حق تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ (۳۹:۳۰ تا ۳۲) (۵۳:۳۱ ـ ۳۹ تا ۴۱) (۲:۱۳۴) جہاں پر ہر انسان اپنی دنیوی کمائی و محنت کا بدلہ پائے گا۔ کسی انسان سے دوسرے کے عمل کے بارے میں جواب دہی نہ ہو گی بلکہ وہ خود صرف اپنے عمل اور اس کے نتائج کا مسئول ہو گا۔

— دنیوی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے ساتھ بسر کرنے والوں کے لئے آخرت میں نعمت بھرے باغ ہیں جو خدا کے رحمت و فضل کا عین تقاضا ہیں کیونکہ مسلم و مجرم برابر نہیں ہو سکتے۔ جزا و سزا میں عدل و انصاف کا انکار انسان کی فطرت کے خلاف ایک غیر عاقلانہ نظریہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ (۶۸:۳۴ تا ۴۱)

— روز قیامت کے عدل کا بیان کہ مظلوموں کی سب سے پہلے داد رسی کی جائے

گی اور بطور مثال زندہ درگور کی گئی لڑکیوں کی دادرسی کا ذکر ہے (۸۱:۸۔۹)

___ انسان کو اللہ نے فضول نہیں پیدا کیا آخر کار اسے ایک روز اللہ کی طرف پلٹنا ہے۔ (۲۳:۱۱۵)

___ جنت عادلانہ بدل ہے محسنین کے لئے ان کے دنیوی اعمال کا۔ (۲۴:۵۶) (۲۲:۷۶) (۳۲:۱۶)

___ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع کرنے والا نہیں خواہ مرد ہو یا عورت اجر سب کا اللہ کے پاس ہے اور وہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔ (۳:۱۹۵۔ ۱۹۹)

___ روز قیامت اللہ تعالیٰ کا بے مثال عدل کہ بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرنے والوں کے حساب سے اللہ تعالیٰ چھوٹے گناہ ساقط کر دے گا۔ (۴:۳۱)

___ انسان دنیا میں اعمال کی جیسی کچھ کمائی کر رہا ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے اور ہر انسان کا درجہ اس کے اعمال کے مطابق ہو گا۔ (۶۔۳۔۱۳۲)

___ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرے گا اس کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔ (۸:۲۸) (۷:۱۷۰) (۱۲:۹۰) (۱۶:۹۷)

___ ہر شخص اپنی کمائی و کسب کا ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی کا وزن نہیں اٹھائے گا۔ (۶:۱۶۴)

___ جنت اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور بدلہ ہے ان کے دنیوی اعمال حسنہ کا اور اللہ سے بہتر اپنا عہد پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ (۹:۱۱۱۔ ۱۱۲)

___ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو بزرگی دی، نعمتیں عطا کیں اور تمام مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی تو عین عدل ہے کہ ایک روز اسے ان کی جوابدہی کے لئے حاضر کیا جائے۔ (۱۷:۷۰ تا ۷۲) (۲۱:۲۰۔

(۲۱

____ روز قیامت ایمان لانا بالکل غیر نافع ہو گا۔ (۲۹.۳۲)

____ روز قیامت انسان پر دنیوی اعمال کے اچھے برے نتائج واضح ہو جائیں گے۔ (۴۸.۳۹)

____ ملامت کرنے والے نفس لوامہ (ضمیر) کی قسم کہ انسان کو دنیوی اعمال کی ایک روز (روز قیامت) جواب دہی کرنی ہو گی۔ (۲.۷۵)

____ نیک و بد دونوں گروہوں کے درجات ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور کسی پر ظلم نہ ہو۔ (۱۹.۴۶) (۳۴.۴_۵)

____ جو کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا انتظام اللہ تعالیٰ نے محسنین کے لئے کر رکھا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔ (۱۷.۳۲)

____ روز قیامت کوئی باپ بیٹا ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہ ہوں گے (۳۳.۳۱) (۱۸.۳۵)

____ روز قیامت نہ کوئی فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ ہی نقصان۔ (۴۲.۳۴)

____ اہل ایمان کو ان کا پورا پورا اجر ملے گا اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ مزید فضل و رحمت سے بھی نوازے گا۔ (۳۰.۳۵)

____ روز قیامت کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا سب حاضر کر دیئے جائیں گے اور ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسا عمل کیا گیا ہو گا۔ (۳۶.۵۳_۵۴) (۱۵.۴۲)

____ آخرت ____ یوم حسرت ____ جس دن دنیوی جھگڑوں کا صحیح صحیح فیصلہ کر دیا جائے گا (۱۹.۳۹) (۱۱.۱۱۰) (۱۰.۱۹) (۲.۱۳) (۳۹.۴۲) (۴۲.۱۰_۱۴) (۲۲.۱۷_۶۹)

____ آخرت یوم جزا ہے۔ (۳۷.۲۰) (۳۸.۷۸) (۱.۳)

____ جہنم بدلہ ہو گا دنیوی اعمال بد کا (۳۶.۶۳) (۳۷.۳۹)

—— قیامت —— یوم حساب۔ (۵۳ ـ ۲۶:۳۸) (۲۷:۴۰)

—— قیامت ایک ایسا دن ہو گا جب کتاب اعمال لا رکھی جائے گی، انبیاء اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (۷۵ ـ ۷۰ ـ ۶۹:۳۹) (۲۰ ـ ۱۷:۴۰ ـ ۷۸)

—— روز قیامت ہر انسان کے اعمال بے پردہ ہوں گے اور کسی کی کوئی بات بھی چھپی نہ ہو گی۔ (۱۶:۴۰)

—— جو بھی نیک کمائی انسان دنیا میں کر رہا ہے روز قیامت اللہ تعالیٰ اس میں مزید خوبی کا اضافہ کر دے گا۔ (۲۳:۴۲)

—— جو کچھ جھوٹ اور افتراء انسان اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے روز قیامت اس کی جواب دہی کرنی ہو گی (۱۹:۴۳)

—— روز قیامت کسی جن وانس سے اس کے کرتوت پوچھنے کی ضرورت نہ ہو گی ان کے چہرے ہی بتا دیں گے۔ (۴۱ ـ ۳۹:۵۵)

—— آخرت میں عدل خداوندی کے مطابق نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ (۶۰:۵۵)

—— انسان کے دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کیونکہ اللہ تو دلوں کے چھپے راز تک جانتا ہے۔ (۶:۵۷) (۱۵۴ ـ ۱۱۹ ـ ۲۹:۳) (۷:۵)
(۵:۱۱) (۲۳:۳۱) (۷:۳۹) (۲۴:۴۲) (۴:۶۴) (۱۳:۶۸)
(۴۳:۸) (۷:۵۸)

—— اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ (۱۸:۵۹) (۲۳۴:۲) (۸:۵) (۱۶:۹) (۵۳:۲۴)
(۱۶:۳۱ ـ ۲۹ ـ ۳۴) (۳:۵۸ ـ ۱۱ ـ ۱۳) (۱۱:۶۳) (۹۴:۴)
(۲:۳۳) (۱:۶۰) (۴:۶۴) (۱۳:۶۷ ـ ۱۴)

— آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی بھی ہے۔ (۵۷:۲۰)

— روز آخرت اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا کرے گا اور انہیں نور بخشے گا جس کی روشنی میں وہ بخوبی چل سکیں گے اور ان کے قصور و گناہ معاف کئے جائیں گے۔ (۵۸:۲۸)

— اللہ تعالیٰ انسان کو روز قیامت ٹھیک بتا دے گا کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے (۶۴:۷) (۸۱:۱۴) (۸۲:۵) (۷۵:۱۳۔۱۴)

— مجرمین روز آخرت اپنے دنیوی جرائم کا خود اعتراف کر لیں گے۔ (۶۷:۱۰۔۱۱) (۷۴:۴۱ تا ۴۸)

— امانتوں کی حفاظت، عہد کا پاس اور گواہی و شہادت میں راست بازی اہل ایمان کی صفات ہیں جن کا بہترین اجر انہیں جنت کی صورت میں ملے گا۔ (۷۰:۳۲ تا ۳۵)

— انسان جو بھلائی و نیکی آگے بھیجتا ہے اسے اللہ کے پاس موجود پائے گا۔ (۷۹:۳۵) (۷۳:۲۰) (۷۸:۴۰)

— قیامت — یوم الفصل — فیصلے کا دن اور اس دن اللہ تعالیٰ فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ انسان کی تمام نسلوں کو اکٹھا کرے گا۔ (۷۷:۱۳۔۱۴۔۳۸) (۷۸:۱۷)

— قیامت — یوم الدین — جزا و سزا کا دن جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہو گا اور فیصلہ کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہو گا۔ (۸۲:۱۶ تا ۱۹)

— روز قیامت پوشیدہ اسرار کی پڑتال ہو گی کیونکہ انسان کے اعمال دنیا میں ایک راز ہی تو ہیں کیونکہ ان کے پیچھے کار فرمانیتیں اور اغراض و خواہشات نفسانی

کا حال لوگوں سے چھپا ہوا ہے۔ (۹:۸۶)

— انسان کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹنا ہے اور حساب لینا اللہ کے ذمے ہے۔ (۲۵:۸۸ـ۲۶)

— روز قیامت زمین بھی گواہ کے طور پر پیش ہو گی اور اپنے اوپر گزرنے والے واقعات اور اس کے کرداروں کو بے نقاب کرے گی۔ (۴:۹۹ـ۵)

— قیامت کے روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔ (۶:۹۹)

— روز قیامت ذرہ برابر نیکی اور بدی حساب کے لئے حاضر کی جائے گی۔ (۷:۹۹ـ۸)

— روز قیامت سینوں میں مدفن ارادے اور اغراض و مقاصد بھی کھول دیئے جائیں گے اور جانچ پڑتال کے لئے اچھائی اور برائی کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ (۱۰۰:۹ تا ۱۱)

— دنیوی نعمتوں کے بارے میں آخرت میں جواب دہی کرنی ہے۔ (۸:۱۰۲)

— دنیا میں معذوب قوموں کے لئے یہ ہی عذاب نہیں ہے بلکہ آخرت میں بھی وہ اپنے دنیوی اعمال کی مزید سزا پائیں گے۔ (۱:۱۱۱ تا ۵)

— ظالمین و مجرمین کا انجام بد جو آخرت میں ان کا مقدر ہے۔ (۴۱:۷) (۲۹:۱۸ـ ۵۸ـ ۵۹) (۶۸:۱۹ تا ۷۲) (۶۳:۳۷) (۲۴:۳۹) (۳۹:۴۳) (۱۷:۵۹) (۳۱:۷۶) (۲۲:۱۴) (۲۱:۴۲) (۶۵:۴۳) (۳۹:۲۸ تا ۴۲ـ ۵۸ـ ۵۹) (۱۱:۲۱ تا ۱۵ـ ۲۹) (۱۶۹:۴) (۳۷:۳۵) (۲۵:۲۲ـ ۴۲ـ ۴۲ تا ۴۶) (۱۹:۲۵ـ ۳۷) (۴۲:۴۲ـ ۴۵) (۴۷:۵۲) (۵۱:۳۹) (۱۵۰:۳) (۵۹:۲) (۱۶۲:۷) (۱۶۵:۷) (۱۰۲:۱۱) (۵۰:۱۸) (۳۱:۷۶)

(۵۹.۵۱) (۱۰: ۱۳) (۶۷.۱۱) (۱۴.۴۵)

—— مجرمین دنیا بھر کی دولت بھی فدیہ میں دے کر نہ چھوٹ سکیں گے۔
(۱۰: ۵۴) (۳۹: ۴۷)

—— روز قیامت کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا یعنی ہر مستحق کو اجر ملے گا، پورا اجر دیا جائے گا، سزاوار ہی کو سزا ملے گی کوئی بے گناہ سزا نہ پائے گا اور نہ ہی کوئی سزاوار بچ سکے گا۔ ہر ایک کو کم زیادہ نہیں بلکہ پوری پوری سزا ملے گی، ایک کے گناہ میں دوسرا ہر گز نہ پکڑا جائے گا اور یہ بھی نہ ہو گا کہ مظلوم دیکھتا رہ جائے اور ظالم بچ جائے دنیوی عدالتوں کی کمیوں اور ان تمام ظلم کی صورتوں سے اخروی عدالت محفوظ ہو گی۔ (۴۰: ۱۷)

—— اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر یہ ظلم نہیں کر سکتا کہ نیکوں کی نیکی ضائع کر دے اور بدی کرنے والوں کو ان کی بدی کا بدلہ نہ دے۔ (۴۱: ۴۶)

—— روز قیامت کو جھٹلانا ظلم ہے۔ (۱۰: ۴۹ تا ۵۲) (۱۱: ۱۸_۱۹) (۷: ۴۴_۴۵) (۱۷: ۵۱_۹۹)

—— دنیا میں کی گئی زیادتیاں اور خیانتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ (۳: ۱۶۱)

—— روز قیامت انسان کے ہاتھ پاؤں، کھالیں اور زبان گواہی دیں گے۔
(۲۴: ۲۴) (۳۶: ۶۵) (۴۱: ۲۰ تا ۲۲)

خدائے عادل کی اس اخروی عدالت کا مزاج ہم نے قرآن مجید کی زبانی بیان کرنے کی جسارت کی ہے اس کو بار بار پڑھیں کیا عدل کا کوئی ایسا دائرہ رہ گیا ہے جو اس عدالت کی خصوصیات میں رہ گیا ہو؟ ہماری فلاح و کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اس عدالت کا خوف رکھیں اور اسی خوف کے تحت اپنے دنیوی اعمال مرتب کریں۔ ہمارے افراد اس عدالت کا خوف رکھیں ہمارے حکمران اس جواب دہی کو مدنظر رکھیں اور ہمارے منصف حضرات اپنے فیصلوں کو عدل کے ترازو پر تول کر جاری فرمائیں کہ آخرت کی جواب دہی ہو کر رہنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل کیا یہ کم ہے کہ اس نے ہمارے لئے اخروی عدالت کے سامنے

کامیابی حاصل کرنے کا ایک ایک طریقہ مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ یہ دنیوی زندگی تو ایک پانی کا بلبلہ ہے جو کسی وقت اور کسی لمحے بھی ٹوٹ سکتا ہے پھر جواب دہی ہی ہے۔ مظلوم ہو گا اور ظالم کا گریبان ہو گا۔ ہاتھ پاؤں کی گواہی کے ساتھ ساتھ فرشتوں کا لکھا ہوا مستند نامہ اعمال ہو گا، انکار کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی جائے گی اور پھر ایک اور موقع بھی نہ ملے گا۔ اخروی زندگی ہی ابدی ہے اگر ہم اس کی تیاری نہ کریں تو ہم نے اشرف المخلوقات کو ودیعت کردہ عقل و شعور کو ضائع کر دیا جس کی تلافی کبھی بھی کسی طرح بھی نہیں ہو سکے گی۔

اس اخروی عدالت خداوندی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کے چند ارشادات کا ذکر کرنا باعث رحمت ہو گا۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں اور تیسرے وہ نیک بخت اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الوصیت۔ مسلم)

(ii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"قیامت کے دن عدالت رب میں سب سے پہلے خون کے مقدمات کا فیصلہ ہو گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ کتاب القسامت والمحاربین والقصص والدیات۔ مسلم + ابواب الدیات۔ ترمذی + کتاب الدیات۔ ابن ماجہ)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے لئے بھی ظلم نہ کرے گا۔ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں کوئی نیکی ایسی نہ ہو گی جس کا

بدلہ دیا جا سکے"

(روایت حضرت انس بن مالکؓ ۔ کتاب صفات المومنین واحکامھم۔ مسلم)

(iv) رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"کوئی نہیں پکڑا جائے گا اپنے بھائی یا باپ کے قصور کے بدلے (بلکہ ہر ایک کے قصور کا مواخذہ اسی سے ہو گا)

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۔ کتاب المحاربۃ۔ نسائی)

اسی قسم کی ایک اور حدیث یوں ہے کہ

"ایک شخص کے قصور میں دوسرے کو نہیں پکڑا جائے گا نہ ہی باپ کا قصور بیٹے پر ہے اور نہ ہی بیٹے کا قصور باپ پر ہے اور نہ ہی ماں کے قصور کا مواخذہ بیٹے سے کیا جائے گا"

(روایت طارق محاربی + ابو رمثہ + ثعلبہ بن زہدم۔ کتاب القصاص۔ نسائی اور سنن دارمی میں بھی یہ روایت آتی ہے۔

اور یہی بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں یوں فرمائی کہ

"جو قصور کرے گا وہ اپنی ذات پر کرے گا باپ کے قصور میں بیٹے کو اور بیٹے کے قصور میں باپ کو نہیں پکڑا جائے گا، ماں بچے کو ایک دوسرے کے قصور میں نہیں پکڑا جائے گا اور کوئی شخص دوسرے کے قصور میں نہ پوچھا جائے گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۔ کتاب القصاص، مشکوۃ المصابیح + روایات عمرو بن احوص + طارق محاربی + خشخاش عنبری اور اسامہ بن شریک۔ کتاب الدیات۔ ابن ماجہ اور روایت ابو رمثہ۔ کتاب الدیات۔ سنن ابو داؤد)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص تم میں سے حد کا کام کرے، پھر اس کو حد پر جاوے تو یہی اس کا کفارہ ہے اور نہیں تو اختیار ہے اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کو (کہ چاہے تو معاف کر دے اور

چاہے تو عذاب و سزا دے ڈالے)"

(روایت حضرت عبادہ بن صامتؓ۔ کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

اسی قسم کی ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص دنیا میں گناہ کرے پھر سزا پائے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عادل ہے کہ اس کو دوبارہ سزا دیوے (یعنی آخرت میں بھی اس سے مواخذہ کرے) اور جو شخص دنیا میں گناہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے تو اللہ تعالیٰ (آخرت میں) اس سے مواخذہ نہ کرے گا جب کہ وہ دنیا میں اس کو معاف کر چکا"

(روایت حضرت علی کرم اللہ وجہ۔ کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

باب ۵

قرآن حکیم کے مبنی بر عدل اصول قانون
(JURISPRUDENCE)

اس باب میں ہم قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول قوانین جن کے تحت قانون اسلام مرتب کیا جاتا ہے بیان کریں گے۔ یہ ایک نہایت اہم باب ہے جس کے ایک ایک اصول کا بنیادی ستون "عدل" ہے۔ جیسے جیسے آپ ان اصولوں کو پڑھتے جائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی۔ مغربی مما اور ان کے دساتیر و مجموعہ قوانین نے ان اصولوں کو کس قدر خوبصورتی کے ساتھ سمویا ہے اور ہم مسلمان ہیں کہ اپنے گھر کی چیز سے بے گانہ ہو کر ان کے فوائد سے بے بہرہ اور محروم ہیں۔ کیا کسی قوم کی بدقسمتی کی اس سے بڑی دلیل اور کوئی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس راہ میں حائل رکاوٹیں دور فرمائے اور یہ بات اہل ایمان کے دلوں میں ڈال دے کہ صرف مسلمان اور امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ موجب فلاح نہیں ہو سکتا جب تک ہم مسلمان اور امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

اب ہم اصول قانون اسلام ایک خاص ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

—— فیصلہ صرف حکم خدا کے مطابق کرو۔ (۵:۴۸ تا ۵۰) اور ایسا نہ کرنے والے کافر (۵:۴۴)، ظالم (۵:۴۵) اور فاسق (۵:۴۷) ہیں۔

— اللہ کے حکم و قانون کے مقابلے میں انسانی خواہشات پر مبنی قانون کو قانون جاہلیت کہا گیا ہے (۵:۵۰) اور اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔ (۶:۱۲۲)

— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھگڑے اور قابل فیصلہ معاملے میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قاضی تھے اور آپؐ کا فیصلہ ماننا ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ (۴:۶۱_۶۵_۱۰۵) (۳۳:۳۶) (۴۲:۱۰ تا ۱۵) (۲۴:۵۱_۵۲)

— شریعت کے احکام و قوانین کو "دین" کہا گیا ہے جس میں فوجداری قانون بھی شامل ہے۔ (۲۴:۱) (۱۲:۷۶)

— عدالت کو صحیح صحیح قرآن کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم اور کسی کی خواہشات کی پیروی نہ کرنے کا حکم۔ (۵:۴۸_۴۹)

— قانون اسلام انسان کے لئے آسانی چاہتا ہے اور بے جا سختیوں اور پابندیوں سے آزاد کرتا ہے۔ (۲:۱۸۵_۱۸۷_۲۲۰)

— اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی معاملے میں فیصلہ دے دیں تو اہل ایمان کے لئے اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔ ان فیصلوں پر شک و شبہ کرنے والے کھلی گمراہی میں پڑ گئے۔ (۳۳:۳۶) (۴:۶۵)

— اہل ایمان کے لئے اصولی حکم یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لیں اور جس کام سے روکیں اس سے رک جائیں۔ اللہ سے ڈریں جو حکم عدولی پر سخت ترین سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ (۵۹:۷)

— حدود اللہ قائم کرنے کے لئے ہیں جو انہیں توڑتا ہے وہ نہایت سنگین ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۶۵:۱)

— قرآن حکیم نے احکام کی پابندی کی بنیاد خوف خدا اور خوف آخرت پر رکھی

ہے۔ (۲:۱۹۷ ـ ۲۰۳ ـ ۲۰۶) (۴:۱۲۸ ـ ۱۳۵) (۲۵:۵۷) (۵:۸ ـ ۴۲ ـ ۹۴ ـ ۹۹)

ــــ اسلامی قانون کا بے لاگ اصول کہ جن جرائم کی سزا سخت ہے ان کی گواہی و شہادت کے احکام بھی نہایت کڑے ہیں۔ (۴:۱۵ ـ ۱۶) (۲۴:۲)

ــــ عدل و انصاف میں رکاوٹ دو طرح کے جذبات ڈالتے ہیں ایک محبت و قرابت اور دوستی کے جذبات اور دوسرے عداوت و دشمنی کے جذبات۔ قرآن حکیم نے بالترتیب دونوں سے منع کیا ہے۔ (۴:۱۳۵) (۵:۸)

ــــ اسلامی قوانین و احکام آسانی پیدا کرنے کے لئے ہیں نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کے لئے (۲:۱۸۵ ـ ۱۸۷) (۴:۲۸) (۵:۶ ـ ۷)

ــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام و قوانین نہایت واضح طریقے سے بیان کئے ہیں تاکہ انسان تدبر و تفکر سے کام لے۔ (۲:۲۴۱ ـ ۲۸۲) (۳:۱۱۸) (۴:۲۶) (۵:۸۵)

ــــ اللہ تعالیٰ اپنے احکام و قوانین کی وضاحت اور تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ انسان اپنی خود ساختہ مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر گمراہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین کسی ادھوری و ناقص معلومات رکھنے والے کے بنائے ہوئے قوانین نہیں بلکہ خدائے علیم و حکیم کے مقرر کردہ قوانین ہیں۔ (۲:۱۷۶)

ــــ اسلام کے احکام و قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے جب انسان نے اللہ تعالیٰ کو علیم و حکیم تسلیم کر لیا اور اس کے احکام کی پیروی کا عہد کر لیا تو پھر قیل و قال کیوں۔ بس یقین محکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے ہر حکم کی پیروی کرے۔ اسی میں اس کے لئے فلاح ہے۔ (۵:۱)

ــــ اسلامی قانون و احکام میں مبنی بر عدل رعائتیں (۹:۹۱) (۲۴:۶۱) (۴۸:۱۷) (۲۴:۲۰) (۴:۴۳ ـ ۹۵ ـ ۱۰۲) (۳:۲۸)

(۲: ۱۷۳_۱۸۴_۱۸۵_۱۹۶_۲۲۵)

— اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام عدل و انصاف جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں نازل کیا اس کے بجائے طاغوت کی طرف رجوع کرنے والوں کا انجام بد مقدر ہے۔ (۴: ۶۰_۶۱)

— اہل ایمان کے دو گروہ لڑ پڑیں تو بر سر حق کا ساتھ دو اگر ظالم حق کی طرف رجوع کرے تو حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کروا دو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۴۹: ۹)

— مظلوم کو فریاد اور داد رسی کا حق ہے۔ (۴: ۱۴۸) (۲۶: ۲۲۷) (۴۲: ۴۰ تا ۴۳)

— نیکی اور بھلائی کا بدلہ نیکی اور بھلائی ہی ہے یہ ہی اصل الاصول ہے۔ (۵۵: ۶۰_۶۱)

— خواہ امیر ہو یا غریب عدل و انصاف کے ترازو میں ایک ہی وزن رکھتا ہے۔ (۴: ۱۳۵) (۶: ۵۳)

— اسلام خوف سزا و تعذیر کے بجائے اخلاقی استدلال پر زیادہ زور دیتا ہے۔ (۵: ۳۲) (۲۵: ۶۸) (۶: ۱۵۱)

— اعمال میں اصل اہمیت نیتوں کو حاصل ہے۔ (۳: ۱۴۵)

— کسی کے کردار کے تعین سے پہلے اس کا پچھلا ریکارڈ دیکھو (۱۰: ۱۶)

— ظلم کا بدلہ ظلم سے دینا اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ (۵: ۲)

— کسی کی ذمہ داری دوسرے پر نہ ڈالو۔ (۶: ۱۶۴) (۴: ۱۱۲)

— گواہ کے معتبر ہونے میں اس کی اخلاق و سیرت کا لحاظ کرو۔ (۲: ۲۸۲)

— ہمیشہ نیکی اور بھلائی کی سفارش کرو۔ (۴: ۸۵)

— محض گمان اور شبہات پر کسی کے خلاف کارروائی نہ کرو۔ (۹: ۱۰۶) (۱۷: ۳۶) (۵: ۵۸) (۴۹: ۶_۱۲)

— (i) معاہدے کی دستاویز لکھواؤ (ii) دستاویز قرض لینے والا لکھوائے (iii) دستاویز لکھنے کی حکمت (iv) نقد خرید و فروخت میں دستاویز لکھنا ضروری نہیں ہے البتہ گواہی ضروری ہے۔ (v) دستاویز معاہدہ پر گواہیاں رکھو اور گواہوں کے فرائض (vi) گواہ اور کاتب دستاویز کو ستایا نہ جائے (vii) گواہی اور شہادت چھپانا حرام ہے۔

(ملاحظہ ہو البقرہ ۲:۲۸۲)

— معاملات و معاہدات میں اس شخص کے حالات کا لحاظ کرو جس نے معاہدہ پورا کرنا ہے وہی شرائط لکھوائے گا۔ یہ اصول بھی مدنظر رکھو کہ کسی شخص پر اس کی استطاعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ (۷:۶۵)

— عمل غیر کی ذمہ داری سے بریت (۱۵:۱۷) (۱۸:۳۵) (۳۸:۵۴) (۷:۳۹) (۶:۱۶۳_۱۶۴)

— سزا مجرم کے لئے ہے نہ کہ ہر ایک کے لئے (۲:۱۹۳)

— سزا جرم کے مطابق ہونی چاہیئے بے جا زیادتی سے قرآن منع کرتا ہے۔ (۲:۱۹۴)

— عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کا پچھلا ریکارڈ دیکھ کر مقدمہ لینے سے انکار کر دے لیکن اگر مقدمہ لے لے تو صحیح صحیح انصاف کے مطابق فیصلہ کرے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۵:۴۲)

— عدل و انصاف کی راہ میں جھوٹ اور رشوت کے ذریعے اثرانداز ہونے والے یاد رکھیں کہ یہ منافقین و یہود کی خصلت ہے۔ (۵:۴۱_۴۲)

— عدالت سے جب عدل میں کوئی لغزش ہو جائے اور اسے وضاحت معاملہ کر دی جائے تو قرین عدل یہ ہی ہے کہ وہ اپنا فیصلہ تبدیل کرے۔ (۲۱:۷۸_۷۹) (۳۸:۲۰ تا ۲۴)

— عدالت صاحب عدل فرد پر مشتمل ہونی چاہیئے جو فقاہت رکھتا ہو اور حقوق

فریقین کا صحیح صحیح موازنہ کر سکے۔ (۵:۹۵) کیونکہ قانون کی منشا کا تعین کرنا عادل افراد ہی کا کام ہے۔

—— قصاص میں انصاف کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ (۲:۱۷۸)

—— صحیح عدالت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرے اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشے۔ (۳۸:۲۰)

—— عدالت میں اپنے الزام کے ثبوت میں گواہ لانا مدعی کا کام ہے اگر نہیں لا سکتا تو قرین عدل و انصاف یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ (۴:۱۵) (۲۴:۱۳)

—— گناہ کی پاداش میں کفارہ پر مبنی بر عدل حکم خداوندی (۵:۹۵)

—— ثالثی (Arbitration) کے ذریعے لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۴۹:۹) (۴:۳۵)

—— غیر ارادہ غلطی سے ہو جانے والے کام پر مواخذہ نہیں لیکن ارادۃً غلط کام پر مواخذہ ہے۔ (۳۳:۵)

—— دنیوی عدالتوں کا اصول ہے "قانون سے لاعلمی کوئی وجہ جواز نہیں" جبکہ عدالت ربانی میں لاعلمی بھی ایک جائز عذر کے درجے میں ہے (۱۷:۱۵) اس عذر پر اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام مبعوث کئے اور امت محمدیہ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سونپا (۴:۴۱) (۱۶:۹) (۱۷:۳۱) (۳:۱۰۴) (۹:۶۷) (۲۲:۴۱) (۹:۱۱۱۔ ۱۱۲) (۳:۱۰۴۔ ۱۱۰) امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی تعلیمات کی علم بردار ہے اس لئے اس ذمہ داری کا احساس کرے کہ کہیں روز قیامت غیر مسلم یہ عذر نہ کر بیٹھیں کہ ہمیں تو تعلیمات قرآن کسی نے نہیں بتائیں۔ ہم تو تلاش حق میں جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے

تھے۔ کبھی کسی فلسفے کو اپناتے اور کبھی کسی کو لیکن انسانیت کے لئے آب حیات جو تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں موجود تھا اس سے ہمیں آگاہ کسی نے نہیں کیا بلکہ مسلمان تو خود ان کو چھوڑے بیٹھے تھے۔

— صاحبان علم و عقل ہمیشہ قانون کے ظاہری بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ (۳۹.۱۸ـ۵۵)

— سکھ چین اور اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پیروی ہی سے ملتا ہے۔ (۳۹.۱۰ تا ۱۵)

— سد ذرائع یعنی بنفسی اگرچہ کوئی کام جائز ہو لیکن اس سے کسی بڑے ناجائز کام کی گنجائش نکلتی ہو تو وہ جائز کام پر ناجائز ہو جاتا ہے۔ (۶:۱۰۹) (۲:۱۰۴)

— کسی کی بات بے لاگ طریقے سے سنے بغیر فیصلہ کر ڈالنا عدل کے منافی ہے۔ (۴:۹۴) ایک حدیث قدسی ہے کہ "سوچ سمجھ کر اٹھایا گیا قدم اللہ کی طرف سے ہے اور جلدبازی کا فیصلہ شیطان کی طرف سے ہے۔"

— عدل کا تقاضا یہ ہے کہ بھول، نسیان اور زبردستی کروایا گیا جرم قابل معافی ہے۔ (۱۶:۶۸ـ۱۰۶) رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ "میری امت سے خطاء اور بھول کا گناہ معاف ہے اور وہ بھی جو اس سے زبردستی کروایا گیا ہو۔"

— کوئی شخص نہ کسی کی جگہ پکڑا جائے گا اور نہ ہی کوئی کسی کی جگہ سزا بھگت سکتا ہے۔ (۱۲:۷۹)

— مجرمین اور سزاؤں کے بارے میں رحم و ترس کھانا ناجائز ہے اور اسلام کے اصول عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ (۲۴:۲)

— قانون جذبات سے بالاتر ہے، قانون کے نفاذ میں کسی سہل انگاری، جانب داری، چشم پوشی اور بے جا مروت حائل نہیں ہونی چاہیے یہ تمام معاشرے کی

ذمہ داری ہے کہ مجرم کو سزا دے کر اس ضمانت کو بحال کرے جس میں سارے اسلامی معاشرے کی زندگی ہے (۱۷۹.۲) کیونکہ مجرم نے مظلوم ہی کے ساتھ ہی نہیں بلکہ سارے معاشرے کے ساتھ زیادتی کی ہوتی ہے۔ (۳۲.۵)

—— قرآن حکیم نے اپنی سزاؤں کے لئے "نکال" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی وہ چیز جس کو دیکھ کر سب عبرت پکڑیں، نصیحت حاصل کریں اور ایسے ہی جرم کے ارتکاب سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب دنیا اور سزائے آخرت کے لئے بھی لفظ "نکال" استعمال کیا ہے۔ (۳۸.۵) (۱۲.۷۳) (۲۵.۷۹) (۶۶.۲) (۸۴.۴)

—— سزا و حدود مجمع عام میں دو تا کہ مجرم کو فضیحت اور دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ (۲.۲۴)

—— دوسرے دنیوی قوانین معاشرتی مقام کے مطابق مجرم کو سزا دیتے ہیں یعنی اعلیٰ پوزیشن والے کو کم لیکن اسلام کا نظام الٹا ہے وہ اعلیٰ معاشرتی پوزیشن والوں کو زیادہ سزا دیتا ہے اور کمزور کو کم (۲۵.۴) (۳۰.۳۳)

—— جھوٹی تہمت لگانے والا ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہو گا اس کی گواہی کسی بھی معاملے میں قبول نہ ہوگی۔ (۴.۲۴)

—— گواہ لانے کی ذمہ داری مدعی پر ہے اگر وہ پیش نہیں کرتا تو وہ جھوٹا ہے۔ (۱۳.۲۴)

—— ان لوگوں کو تنبیہ جو یہ جانتے ہوئے کہ حقیقی ما   کون ہے محض اس لئے معاملات عدالت میں لے جاتے ہیں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ حقیقی ما   کے پاس شہادت اور گواہی نہیں ہے۔ (۱۸۸.۲)

—— اگر فریق مخالف معاہدے پر عمل نہ کرے تو بے شک تم بھی نہ کرو۔ (۱۱.۶۰)

— عقود عقد کی جمع ہے اور اس کے لغوی معانی گرہ لگانے کے ہیں اور اس کا اطلاق ان وعدوں پر ہوتا ہے جو دو افراد کے درمیان طے پائیں اور اس میں وہ تمام وعدے آجاتے ہیں جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا انسانوں کے درمیان ہوں خواہ ان کا تعلق دینی معاملات سے ہو یا دنیوی معاملات سے ہو سب کی پابندی کا حکم ہے۔ (۵:۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد شکنی کو منافقت قرار دیا ہے۔

— جو عہد خود پورا کرتا ہے وہی دوسروں سے بھی ایسی امید رکھ سکتا ہے۔ (۲:۴۰)

— اخلاق وعدل کا اصول ہے کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے (۲:۲۷۹)

— جیسا سلوک کسی بھی معاملے میں تم اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہو ویسا ہی سلوک دوسروں کے ساتھ بھی کرو یہ ہی اسلام کے اخلاق وعدل کے نظام کا اصل الاصول ہے۔ (۴:۹) یہ ایک نہایت اہم اصول ہے اگر کسی بھی انسان کے ساتھ کوئی سلوک و معاملہ کرتے ہوئے ہم تھوڑی دیر کے لئے اس کی جگہ اپنے آپ کو اور اپنی جگہ اس کو لا کر یہ سوچیں کہ اسی معاملے میں ہم اپنی ذات کے لئے کس سلوک کو پسند کرتے۔ جو سلوک ہم اپنی ذات کے لئے پسند کریں وہی سلوک ہم اس شخص کے ساتھ کر ڈالیں تو کبھی بھی حقوق العباد کی خلاف ورزی نہ ہو گی۔ یہ اصل الاصول ہی اسلام کی دعوت اور تعلقات بین الناس کا بنیادی پتھر ہے جس پر حق تعالیٰ نے معاشرت، معیشت، سیاست اور اخلاقیات کی عمارت تعمیر کی ہے۔

— اگر بادی النظر میں کسی سے قصور سرزد ہو جائے تو اسے صفائی اور عذر پیش کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ (۲۷:۲۱)

— جب کسی جرم کی سزا پانے کے بعد انسان دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ

اس کی طرف رحمت و مغفرت کے ساتھ رجوع کرتا ہے، دنیوی عدل بھی یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اس کا سابقہ جرم چسپاں نہ کیا جائے (۵:۳۹۔۴۰)

—— جرم کی سزا اس کے مثل ہوگی کم یا زیادہ نہ ہوگی (۶:۱۶۰۔۱۶۱) (۱۰:۲۶۔۲۷) (۱۶:۱۲۶)

—— کسی بے گناہ کو پکڑنا خلاف عدل اور ظلم ہے۔ (۱۲:۷۹)

—— ہر انسان اپنی طاقت اور استطاعت ہی کے مطابق مکلف ہے۔ (۲۳:۶۲) (۲:۲۸۶) (۶:۱۵۲) (۷:۴۲)

—— جو کوئی ویسا ہی بدلہ لے جیسا کہ اس کے ساتھ کیا گیا ہے وہ عین حق بجانب ہے پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو اللہ اس کی مدد کرے گا۔ (۲۲:۶۰)

—— کسی کے قصور میں کسی دوسرے کو پکڑنا صریحاً ظلم ہے خواہ وہ خود ہی اپنے آپ کو پیش کرتا ہو۔ (۱۲:۷۹) (۲۴:۵۴)

—— کسی بھی معاملے میں حکم و قانون نافذ ہونے سے پہلے کا عمل ہرگز قابل مواخذہ نہیں ہو سکتا یعنی قانون کا اطلاق یوم نفاذ سے ہوتا ہے کسی پچھلی تاریخ سے نہیں ہو سکتا۔ (۸:۳۸) (۵:۹۳۔۹۴) (۴:۲۲۔۲۳) (۲:۲۷۵)

—— اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا فیصلہ ان کے اپنے مذاہب کے احکام پر چھوڑ دیا گیا ہے لیکن اگر وہ برضاعت مسلم حاکم سے رجوع کریں گے تو مسلم حاکم بہرحال شریعت اسلامی ہی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ (۵:۴۲۔۴۹)

—— جب فیصلہ کرو عدل و انصاف کے ساتھ کرو کسی کا یہودی، عیسائی، منافق یا دشمن دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لئے ہرگز وجہ جواز نہیں بن سکتا۔ (۵:۸۔۴۲) امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب

کفار کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم تاکیدی ہے تو اہل ایمان کے باہم عدل و انصاف کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔

— عدل و انصاف کی تاکید بلیغ کہ خواہ تمہارے رشتہ داروں ہی کا معاملہ ہو میزان عدل میں ہرگز جھکاؤ نہ آئے۔ (۱۵۳:۶)

— ظالم کے ظلم و زیادتی پر اتنا مشتعل نہ ہو جاؤ کہ تمہارا غصہ تمہیں ناروا زیادتیوں میں ملوث کر دے اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔ (۲:۵)

— یہودیوں کی اس خرابی کی مذمت کہ بڑے آدمی سے جرم سرزد ہو جائے تو رشوت لے کر حکم شرعی کو ہلکا کر دیتے ہیں یعنی عدل و انصاف میں امیر و غریب کے لئے الگ الگ پیمانے رکھتے ہیں۔ (۵:۴۱ تا ۴۷)

— یہودیوں کی مذمت کہ نامکمل علم کے باوجود جسارتیں کرتے ہیں اور جو احکام بھی طبع نازک پر ناگوار گزرتے ہیں ان میں جان بوجھ کر تحریف کرتے ہیں۔ (۳:۶۶۔ ۷۱۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۸۔ ۹۴۔ ۱۱۲)

— حکم شریعت مرضی کے مطابق ہو تو قبول کرنا اور طبع نازک پر گراں ہو تو بہانہ سازی کرنا منافقین کی خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیتا ہے، ان کے دلوں کو پاک نہیں کرتا اور انہیں دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب عظیم دے گا۔ (۵:۴۱)

— عدل و انصاف کو بخوبی ادا کرنا تقویٰ ہے۔ (۵:۸)

— ایک دوسرے پر نیک گمان کرو۔ (۲۴:۱۲)

— ہر ایک کا درجہ اس کے اعمال کے مطابق ہے سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۴۹:۱۳) (۴۶:۱۹)

— کسی بھی کام کے اچھے برے لازمی نتائج سے آگاہ کر دینا ضروری ہے۔ (۲:۱۰۲)

—— عبادات میں عدل خداوندی کہ ہر مسلم کے لئے ایک سے احکام ہیں۔ جو رعایت ہے وہ سب کے لئے ہے اور جو نہیں وہ کسی کے لئے بھی نہیں ہے۔ (۱۹۹:۲)

—— عورتوں کے لئے عدل کے باب میں مردوں جیسے حقوق ہیں البتہ مرد کو بحیثیت قوام ایک درجہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ مرد کی معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں زیادہ ہیں۔ (۲۲۸:۲)

—— جو شخص جائز مجبوری کے تحت قانون توڑے بغیر اس کے کہ اس کا ایسا میلان اور نیت ہو تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہے۔ (۳:۵)

—— عدالت کو اختیار ہے کہ جھوٹے اور حرام خور کا مقدمہ لینے سے انکار کر دے لیکن اگر مقدمہ لے لے تو مکمل عدل کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (۴۲:۵)

—— ہر شخص صرف اپنی کمائی اور کسب کا ذمہ دار ہے کسی دوسرے کے فعل کا ہرگز ذمہ دار نہیں ہے۔ (۱۶۴:۶)

—— جو لوگ حقیقت نہیں جانتے ان پر حقیقت واضح کر دو پھر انہیں سوچنے سمجھنے کا موقع دو کیونکہ وہ علم نہیں رکھتے (۶:۹)

خدائے حکیم و خبیر جو اپنی مخلوقات کی تمام کمزوریاں اور کمیاں جانتا ہے اس لئے اس کا بنایا ہوا قانون ہی انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ ہو سکتا ہے انسان کی اپنی خواہشات کے بنائے ہوئے قوانین وقت کی قید کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ انسان ایک قانون کو اپنے لئے درست تصور کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ انسان کا دائرہ اختیار یہ ہے کہ ان اصول قوانین کو اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق قوانین کی شکل دے اور اس کے لئے قرآنی احکام اور ان کی منشائے حق کے مطابق ترجمانی Official Interpretation جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اسے Guideline بنا کر اپنے لئے قوانین مرتب کرے اور جب اسے حکم خداوندی اور حکم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم مل جائے تو بے چون وچرا اس کی تعمیل کرے۔ یہ ہی منشاء خداوندی ہے جس میں ہم انسانوں کے لئے سراسر فلاح مضمر ہے۔ آخر ہماری قانونی ضرورتوں کو ہمارے خالق سے بہتر کون جان سکتا ہے؟ کیونکہ ہمارا خالق ہمارے اچھے برے کو ہمارے سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے۔ قانون اسلام کے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں :۔

(i) قرآن حکیم

(ii) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(iii) خلافت راشدہ کا تعامل اور صحابہ کرامؓ کا اجماع

(iv) مجتہدین امت کے فیصلے چاہے حجت نہ بھی ہوں لیکن اسلامی قانون کی روح اور اصول کو سمجھنے کے لئے بہترین راہ نمائی فراہم کرتے ہیں اس لئے بہرحال قانون اسلام کا چوتھا ماخذ ہیں۔

باب نمبر ۶

عدل کے باب میں پسندیدہ اور غیر پسندیدہ روّے

ہمارے خالق نے انسانوں کی فلاح کے لئے نہ صرف اصول قوانین بتا دیئے ہیں بلکہ ہر شعبہ ہائے زندگی کے لئے الگ الگ قوانین بھی نہایت واضح طور پر بتا دیئے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ انسان کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ تمہارے کن رویوں کو میں پسند نہیں کرتا۔ اس لئے نہیں کہ میرا کوئی نقصان ہوتا ہے بلکہ اس لئے کہ تمہارے ان ناپسندیدہ رویوں سے بھی تمہارا ہی نقصان ہو گا اور اللہ کا فضل و رحمت انسانوں کے خسران کو پسند نہیں کرتا اسی طرح انسانوں کو ان رویوں سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں کیونکہ ایسا رویہ اختیار کرنے میں انسان ہی کو فائدہ ہے اور انسان کے فائدے سے اس کے رحیم و کریم خالق سے زیادہ اور کون خوش ہو گا۔

(ا) پسندیدہ روّے :

اس سرخی کے تحت بیانات میں ہم ان انسانی رویوں کا بیان کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے ان کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ عدل کے مطابق ہیں اور عدل ہی خدائے عادل کو پسند ہے کیونکہ وہ خود سب سے بڑا عادل ہے۔ اس کی تخلیق کا ہر ایک نمونہ عدل کی فضا کے اندر ہی نشوونما پاتا ہے۔

—— کاروبار میں عدل و انصاف یعنی پورا تولنے اور میزان دنیا کو درست رکھنے اور

ناپ تول میں پورا انصاف کرنے کا حکم (۱۵۲:۶) (۳۵:۱۷) (۵۹:۱۲) (۸۵:۷) (۱۸۱:۲۶) (۸۳:۱ تا ۳) (۹۴:۱۱ تا ۹۸)
ایفائے عہد اور ناپ تول کے پورا کرنے کی غرض بیان ایک ہی ہے یعنی دوسروں کی حق تلفی سے روکنا۔ ناپ تول پورا کرنے سے محض وزن پورا دینا لینا ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں عدل و انصاف کرنا مراد ہے۔ یہ نہ ہو کہ اپنے لئے اور اصول ہوں اور دوسروں کے لئے اور اصول ہوں۔

—— ساری مخلوق خدا سے ایک جیسا سلوک کرو کہ سب ایک ہی خالق کی اولاد ہیں۔ (۳۵:۴_۳۶)

—— کسی کو حقیر نہ جانو (۱۸:۳۱)

—— کسی بھی انسان کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرتے ہوئے یہ سوچ لو کہ تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا سلوک اپنے لئے پسند کرتے جو تمہاری توقعات ہوتیں وہی سلوک تم بھی کرو (۹:۴)

—— کسی بات کی بےلاگ تحقیق کے بغیر فیصلہ نہ کرو۔ سوچ سمجھ اور تحمل کا فیصلہ اللہ کی طرف سے اور جلدبازی کا فیصلہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (۹۴:۴) (۴۸:۶۸)

—— فضائل اخلاق —— عدل و انصاف —— (۲۵:۵۷) (۵۸:۴) (۱۵۳:۳)

—— قوم موسیٰ علیہ السلام کے اس گروہ کی توصیف جو حق کے مطابق انصاف کرتا تھا۔ (۱۵۹:۷)

—— مخلوق خدا میں سے ان بندوں کی توصیف جو ٹھیک عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ (۱۸۱:۷ تا ۱۸۳)

—— عدل کی صفت سے انسان تب ہی متصف ہو سکتا ہے جب خواہشات نفس کی

پیروی ترک کر دے (۱۳۵:۴)

___ عدل و انصاف کرنے والے اہل ایمان کی توصیف کہ وہی صراط مستقیم پر ہیں اور قرآن کے مطلوبہ مومن و مسلم ہیں۔ (۷۶:۱۶)

___ قرآن کو قسط کہہ کر فرمایا گیا کہ تمہارا ہر قول و فعل اسی باٹ اور ترازو سے تلا ہوا ہو اور تم اسی پر قائم رہنے والے اور اسی کو قائم کرنے والے ہو۔ مجرد تمہارا اس پر قائم رہنا تمہاری ذمہ داری پورا نہیں کرتا بلکہ تم ساری دنیا کے سامنے اس کے داعی اور گواہ بنو اور اس کو اپنے مسلم معاشرے میں جاری کرو۔ (۱۳۵:۴) (۱۴۳:۲)

___ تمہاری کوئی شہادت اور تمہارا کوئی فیصلہ حق و عدل سے ہٹا ہوا نہ ہو بلکہ عین حق و عدل ہو اس معاملے میں کسی عزیز و قریب کی رعایت نہ کرو (۱۵۲:۶۔۱۵۳)

___ دشمن کے ساتھ بھی عدل کرو یہ بات ہی تقویٰ کے قریب ہے۔ (۸:۵)

___ عدل و قسط کی راہ میں جذبات کو آڑے نہ آنے دو (۱۳۵:۴)

___ جو لوگ تم سے جنگ نہ کریں ان کے ساتھ قسط کا سلوک کرو کہ اللہ تعالیٰ مقسطین کو پسند کرتا ہے۔ (۴۲:۵) (۸:۶۰)

___ حق کے مطابق عدل کرنا ہی اصل عدل ہے ایسا کرنے والوں کی قرآن مجید توصیف کرتا ہے۔ (۱۵۹:۷۔۱۸۱)

___ عہد کو پورا کرنا ہی اصل نیکی اور مطلوب خداوندی فعل ہے۔ (۱۷۷:۲)

___ حقوق العباد کی ادائیگی میں عدل کا رویہ اپنانے کا حکم (۳۱:۱۷ تا ۳۸)

___ عادلانہ طرز عمل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے جواب میں تکبر کے بجائے ہر دم شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور حدود میں رہنے کی دعا

کرے۔ (۲۷:۱۹۔۴۰)

—— اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۹:۴۹) (۶۰:۸) (۴۲:۵)

—— ان سے نیکی اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۶۰:۸)

—— امانتوں کی حفاظت، عہد کا پاس اور گواہی و شہادت میں راست بازی اہل ایمان کی صفات عالیہ ہیں جس کا انہیں بہترین اجر ملے گا۔ (۷۰:۳۰ تا ۳۵)

—— عادل اور غیر عادل کی تمثیل کہ وہ کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ (۱۶:۷۴ تا ۷۶)

(ب) غیر پسندیدہ رویے۔

—— دوسروں کا مال ظالمانہ اور باطل طریقوں سے کھانے کے لئے حکام کو رشوت دینے کی حرمت کی گئی ہے۔ (۲:۱۸۸)

—— قول و فعل کے تضاد کی مذمت یعنی دیگراں را نصیحت خود را فضیحت (۲:۴۴) (۱۱:۸۸) (۲۶:۲۲۴ تا ۲۲۶) (۶۱:۲ ۔ ۳) (۴۸:۱۱)

—— خائن دغا باز لوگوں سے چھپتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے (۴:۱۰۸)

—— خائن دغا باز اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خیانت باز گناہ گاروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہے۔ (۴:۱۰۷)

—— خائن دغا باز یاد رکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل کا احاطہ کئے ہوئے ہے اب تو وہ دنیوی مفادات کے لئے جھگڑ رہے ہیں لیکن روز قیامت ان کی طرف سے کون وکیل ہو گا؟ (۴:۱۰۸۔۱۰۹)

____ جو خائن دغا باز بھی ہے اپنی جان و نفس پر ظلم کرتا ہے اور اپنے گناہ کا وبال اپنی جان پر لیتا ہے اگر وہ عدل و انصاف کی طرف پلٹ آئے اور اللہ کی مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔ (۴: ۱۱۰ تا ۱۱۲)

____ جو شخص ضد بازی اور رقم کی لالچ میں احکام و فیصلہ بدلتا ہے وہ یاد رکھے کہ وہ اپنا پیٹ جہنم کی آگ سے بھر رہا ہے (۲: ۱۷۴ تا ۱۷۶) یہ یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۵: ۴۲-۴۴)

____ یہودیوں کی اس خصلت کی مذمت کہ قانون کا عندیہ موافق ہوا تو مان لیا ورنہ مکر گئے۔ (۵: ۴۱) (۲: ۸۵-۸۷)

____ انکار آخرت ہی انسان کو غیر عادلانہ رویے اور حقوق اللہ کی پامالی پر اکساتا ہے (۱۰۷: ۱ تا ۳)

____ قوانین و احکام کی بجا آوری میں حیلہ اور بہانہ سازی یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۲: ۶۵ تا ۷۴)

____ یہودیوں کی مذمت کہ نامکمل علم پر بھی جسارتیں کرتے ہیں اور جو احکام خداوندی طبع نازک پر ناگوار گزرتے ہیں ان میں جان بوجھ کر تحریف کرتے ہیں۔ (۲۷: ۸۴-۸۵) (۳: ۶۶-۷۱-۷۵-۷۶-۷۸-۹۴-۱۱۲)

____ امانت میں خیانت یہودیوں کی بیماری ہے۔ (۳: ۷۵)

____ جھوٹ اور رشوت یعنی حرام خوری نظام عدل کو تباہ کر دیتے ہیں۔ (۵: ۴۲)

____ دشمن پر بھی زیادتی نہ کرو (۲: ۱۹۰-۱۹۴)

____ "قاسطون" راہ اعتدال سے ہٹ جانے والے اور ان کا انجام بد (۷۲: ۱۴-۱۵)

____ ظلم عدل کا الٹ اور ضد ہے اور اس کی جامع تعریف میں بے انصافی، دھاندلی

اور استحصال و استبداد آ جاتے ہیں۔ کسی کے حقوق میں کمی کرنا، کسی کا واجب ادا نہ کرنا، کسی کو اس کا حق نہ دینا اور کسی پر زیادتی کرنا سب ظلم ہی میں آتا ہے مزید تفصیل کے لئے "معاشرے میں ظلم و فساد عدل کی ضدین ہیں" باب نمبر ۱۰ دیکھیں۔

— حقیقت جانتے بوجھتے کسی کو گمراہ کرنا (نفس کے حسد کی بنا پر) عدل کے خلاف ہے۔ (۲:۱۰۹)

— زمین میں بغیر حق کے بڑے بننے والے گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ (۷:۱۴۶۔ ۱۴۷) (۱۶:۲۲)

— گواہی و شہادت کو چھپانے والے کا دل گناہ آلود ہے اور وہ خبردار رہے کہ اللہ اس کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (۲:۲۸۳)

— اللہ کے قانون کو تبدیل کرنے والے حد سے گزرتے ہیں اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔ (۵:۸۷) (۲:۱۶۸۔ ۱۷۲)

— نہ فضول خرچی کرو اور نہ ہی بخل بلکہ خرچ کرتے ہوئے بھی اعتدال پر قائم رہو۔ (۲۵:۶۷)

— یہودیوں کے اس رویے کی مذمت کہ اگر مقدمہ مضبوط ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فیصلے کے لئے رجوع کر لیا ورنہ کنی کترا گئے۔ (۲۴:۴۸ تا ۵۲)

— انفرادی اور اجتماعی فائدوں کے لئے قسموں کو ڈھال بنانا غیر عادلانہ فعل ہے لہذا قابل مذمت ہے۔ (۱۶:۹۲ تا ۹۴)

— اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ہدایات کی پیروی فرض کی ہے لیکن انسان اس فرض کو پورا نہیں کرتا۔ (۸۰:۲۳)

— مفسدین صریح تکبر و غرور کے تحت آیات و بلینات خداوندی کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ ان کے دل قائل ہو چکے ہیں، ایسوں کا انجام بد مقدر ہے۔

(۱۴:۲۶)

___ شرک پرلے درجے کی احسان فراموشی ہے۔ (۳:۳۵)

___ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو خود کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، فخر جتلاتے ہیں، خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اکساتے ہیں۔ (۲۳:۵۷)

___ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ اس حقیقت پر انسان خود بھی گواہ ہے اور اس کے علاوہ اس حقیقت پر اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کی قسم کھائی ہے۔ (۱۰۰:۱ تا ۷)

___ انسان غلط رویہ اختیار کر کے اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی کر کے اپنے اوپر خود ہی ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۲:۲۳۱) (۶۵:۱) (۲۷:۴۴) (۲:۵۱ _ ۵۴ _ ۵۷) (۷:۱۴۸) (۱۶:۱۱۸) (۷:۲۳ _ ۱۶۰) (۱۱:۱۰۱) (۳۴:۱۹) (۴۳:۷۶) (۳:۱۱۶) (۴:۶۴) (۹:۳۶) (۳۵:۳۲) (۱۸:۲۹ _ ۳۵) (۳۷:۱۱۳) (۴:۹۷) (۷:۱۷۷)

اس باب میں بیان کردہ انسانی رویوں کے بارے میں اوپر بیان کردہ قرآنی احکام کی مزید تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یوں ہوتی ہے :۔

(i) "چار باتیں جس میں ہوں گی وہ منافق ہوگا اور چار میں سے ایک بھی جس میں ہوگی اس میں منافق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ وہ اسے بھی نہ چھوڑ دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں ۱۔ جب بات کرے جھوٹ بولے، ۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، ۳۔ جب بھی عہد کرے دغا دے اور، ۴۔ جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے"

(روایات حضرت عبداللہ بن عمروؓ (کتاب المظالم۔ بخاری) اور (حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب الشہادت۔ بخاری)

(ii) انصار کے کئی لوگوں نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے حضرت عباس بن

عبدالمطلب ؓ (رسول اللہؐ کے چچا) کے معاملے میں (رسول اللہؐ کی مجلس میں) فدیہ معاف کرنے کی تجویز دی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خدا کی قسم ایک درہم بھی نہ چھوڑنا اور پھر حکم دیا کہ عباس سے دوسرے قیدیوں کی طرح پورا فدیہ لینا بلکہ حضرت عباس ؓ سے فرمایا تم مالدار آدمی ہو اپنے علاوہ اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرہ کا فدیہ بھی دو۔ حضرت عباس ؓ نے فرمایا میں تو مسلمان ہوں مگر مکہ کے مشرک مجھے زبردستی ساتھ لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر واقعی ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری تلافی کر دے گا۔ ظاہر میں تو تم لڑنے ہی آئے تھے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عباس ؓ کو کعب بن عمرو انصاری ؓ نے قید کیا تھا اور اس قدر زور سے ان کی مشکیں کسیں کہ وہ درد اور تکلیف سے کراہنے لگے ان کی آواز سے رسول اللہؐ بے چین ہوئے اور سو نہ سکے لیکن صحابہ کرام ؓ سے حضرت عباس ؓ کے لئے کسی رعایت کا حکم نہ کیا۔ بعض مزاج شناس صحابہ کرام ؓ سمجھ گئے اور انہوں نے مشکیں ڈھیلی کروا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عباس کی آواز کیا ہوئی؟ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ ان کی مشکیں ڈھیلی کر دی گئی ہیں تو رسول اللہ صلعم نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی مشکیں ڈھیلی کرو، یہ تھا عدل و انصاف کا وہ معیار جو رسول اللہ صلعم نے مقرر کیا تھا۔

(ماخوذ از روایت از حضرت انس بن ما ؓ ۔ کتاب المغازی۔ بخاری)

(iii) قریش کے ایک معزز خاندان مخزومی کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی۔ (اس کی عادت تھی کہ عاریتاً زیور لے کر بعد میں مکر جاتی تھی) تو قریش کو فکر ہوئی کہ رسول اللہ صلعم کہیں اس کا ہاتھ نہ کاٹ دیں۔ انہوں نے سوچا کہ اس مقدمے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنے کی جسارت آپؐ کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید ؓ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہ ؓ کو سفارش پر راضی کر لیا۔ رسول اللہ صلعم کے پاس جب سفارش پہنچی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا "اے اسامہ تو اللہ کی مقرر

کردہ حدوں میں سفارش کرتا ہے" حضرت اسامہ ؓ ڈر گئے اور معافی مانگنے لگے۔ رسول اللہ ؐ نے حضرت بلال ؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا (رسول اللہ صلعم کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی اہم بات ہوتی تو بے وقت اذان کہلواتے۔ اہل مدینہ سب سمجھ جاتے کہ کوئی خاص بات ہے چنانچہ ہر ایک مسجد نبوی میں حاضر ہو جاتا تھا) پھر رسول اللہ صلعم نے خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو تم سے پہلی قومیں اس ہی لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی بڑا چوری کرتا تو چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور اور بے وسیلہ چوری کرتا تو حد قائم کر دیتے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ ؓ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا (اور پھر رسول اللہ صلعم نے حد جاری فرمائی)

[روایت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ۔ کتاب بدالخلق اور کتاب الحدود۔ بخاری + کتاب حدود۔ مسلم + ابواب الحدود ترمذی + باب الشفاعت فی الحدود۔ مشکوٰۃ المصابیح اور سنن دارمی + کتاب الحدود۔ ابن ماجہ] کے علاوہ یہ ہی حدیث حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے کتاب المغازی۔ بخاری، کتاب الحدود۔ ابن ماجہ اور کتاب الحدود ابو داؤد اور سنن دارمی میں بھی روایت ہے۔ ان ہی کتب میں یہ مشہور روایت حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت نافع ؓ سے بھی روایت شدہ ہیں۔]

(iv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے قریش کے لوگو اپنی جانیں بچالو میں اللہ کے سامنے (اس کی عدالت میں) تمہارے کچھ کام نہیں آنے کا، اے عباس ؓ بن عبدالمطلب اللہ کے حضور میں تمہارے کسی کام نہیں آنے کا، اے میری پھوپھی صفیہ ؓ میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا، اے فاطمہ ؓ بنت محمد میں تمہیں اپنے مال میں سے جو چاہے مانگ، دے سکتا ہوں مگر اللہ کے سامنے کسی کام نہیں آنے کا۔ اس لئے اپنی اپنی جانیں مول لگالو (بچالو)

(روایت حضرت ابوہریرہ ؓ ـــ کتاب التفسیر۔ بخاری)

(v) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارا پروردگار عادل ہے وہ بھلائیاں اور برائیاں سب دیکھ اور لکھ رہا ہے" پھر تفصیل رسول اللہ صلعم نے یوں بیان کی کہ جو شخص کسی بھلائی کا قصد کرتا ہے لیکن عمل نہیں

کرتا تو بھی ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور اگر قصد کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایک نیکی کے بدلے دس سے سات سو نیکیاں (بلحاظ اخلاص و نیت) اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور جو برائی کا قصد کرتا ہے تو کچھ نہیں لکھا جاتا اور اللہ کے ڈر سے باز آ جائے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر برائی کے قصد کے بعد برائی کر گزرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

(روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ ــــ کتاب الرقاق۔ بخاری) اور (روایت حضرت ابوہریرہؓ ــــ کتاب تفسیر القرآن۔ ترمذی)

(vi) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے رسول خدا ہم نے جو گناہ زمانہ جاہلیت میں کئے ہیں کیا ہم سے ان کا مواخذہ ہو گا تو آپؐ نے فرمایا جو شخص اسلام کی حالت میں نیک اعمال کرتا رہا اس سے جاہلیت کے گناہوں کا مواخذہ نہ ہو گا (اور اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا) اور جو شخص مسلمان ہو کر بھی برے کام کرے گا اس سے دونوں زمانوں کے گناہوں کا مواخذہ ہو گا۔

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ــــ کتاب استتابت المرتدین۔ بخاری)

(vii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے ہوئے یہ الفاظ بھی ادا کرتے تھے "مجھ سے اقرار کرو کہ تم شرک نہ کرو گے، زنا، چوری اور خون ناحق نہ کرو گے اور پھر جو کوئی اپنے اقرار کو پورا کرے گا اس کے لئے ثواب ہے اور جو کوئی خلاف ورزی کرے گا اس کو دنیا میں سزا (حدود) ملے گی تو وہی اس کے گناہ کا کفارہ ہے اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو چھپا لے تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ (آخرت میں) چاہے اسے بخش دے اور چاہے عذاب دے۔

(روایت حضرت عبادہ بن صامتؓ ــــ کتاب الحدود۔ مسلم اور کتاب البیعت۔ نسائی)

(viii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو پیروی کرنے والے کے مثل اسے بھی ثواب

ملے گا بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والے کے ثواب میں سے کچھ بھی کم ہو اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے اس پر اتنا ہی گناہ ہے جتنا پیروی کرنے والے پر ہے کچھ کم نہ ہو گا پیروی کرنے والے کے گناہ میں سے"

(باب العمل فی الدعا ـــــ موطا امام ما ؒ) اور یہ ہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن ما ؓ حضرت ابو صحیفہؓ اور حضرت منذر بن جریرؓ سے کتاب الایمان۔ ابن ماجہ میں روایت شدہ ہے)

(ix) حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کی قرآن فہمی پر حضرت عمر بن خطابؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی بڑا اعتماد تھا، فرماتے ہیں :۔

"جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کی روزی بند کر دی جاتی ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرتی ہے، ان میں عدل نہیں ہوتا تو ایسی قوم میں خون خرابہ زیادہ ہو جاتا ہے اور جو قوم عہد توڑتی ہے ان پر دشمن غالب ہو جاتا ہے۔"

(باب ماجاء فی الغلول۔ موطا امام ما)

(x) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شب گزاری کے لئے اپنی ازواج مطہرات میں عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرتے تھے اور فرماتے تھے یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں تو سو مجھے ملامت نہ کر اس چیز میں جس کا میں اختیار نہیں رکھتا بلکہ تو ہی اختیار رکھتا ہے (یعنی کسی بیوی سے کم اور کسی سے زیادہ محبت والفت)

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ ـــــ ابواب النکاح ـــــ ترمذی + کتاب عشرۃ النساء۔ نسائی + کتاب النکاح۔ ابن ماجہ + کتاب النکاح۔ ابوداؤد اور باب القسم۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(xi) اسی قسم کی ایک اور روایت میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا :۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہراتؓ کے درمیان اتنا عدل کرتے

تھے کہ سفر پر جانا ہوتا تھا تو اپنی بیویوں پر قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام نکلتا تھا اسی کو ساتھ لے جاتے تھے۔

(روایت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کتاب النکاح۔ ابن ماجہ)

"جس کی دو عورتیں ہوں اور پھر وہ ایک کی طرف جھک جائے اور دوسری کے حق میں ناانصافی کرے تو روز قیامت وہ ایسی حالت میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کا بدن ایک طرف جھکا ہوا ہو گا"

(روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ۔ کتاب عشرۃ النساء۔ نسائی + کتاب النکاح۔ ابن ماجہ اور کتاب النکاح۔ ابو داؤد)

(xii) "جس کسی نے بری بات نکالی تو قیامت تک اس پر وبال ہے بالکل اسی طرح جس طرح ہابیل بن آدم کے قتل ناحق پر اس کے قاتل بھائی قابیل کو رہتی دنیا تک ہونے والے ہر قتل ناحق میں سے حصہ ملتا ہے"

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ۔ کتاب المحاربتہ۔ نسائی)

(xiii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نئے مسلمان ہونے والی صحابہ کرام ؓ سے جو بیعت لیتے تھے اس کی ایک شق یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ عدل و انصاف ہی کی بات کریں گے جہاں بھی ہوں گے اور اللہ کے کام میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنے سے بالکل نہیں ڈریں گے"

(روایت عبادہ بن صامت ؓ۔ باب البیعت علی القوم العدل۔ کتاب البیعت۔ نسائی)

(xiv) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بانٹ رہے تھے اتنے میں (جلد بازی میں ایک شخص آپ ؐ پر جھک گیا۔ آپ ؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ؐ نے اس شخص کو کچوکا دیا لیکن پھر فرمایا اے شخص آ مجھ سے بدلہ لے لے وہ شخص بولا نہیں میں نے معاف کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [یہ ہی عدل و انصاف کی معراج تھی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح غلطی پر اسے آداب سکھلانے کے لئے اسے کچوکا دیا تھا لیکن آپ ؐ نے پھر بھی اپنے اعلیٰ و عرفہ درجے اور

مرتبے کا کوئی خیال نہ کیا اور بدلہ لینے کی اجازت دے ڈالی]
(روایت حضرت ابو سعید خدریؓ ـــــ کتاب القصاص۔ نسائی اور کتاب الدیات۔ ابو داؤد)

(xv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"اللہ کے نزدیک سب سے برا اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو لڑاکا اور جھگڑالو آدمی ہے" (اور ناحق ہر ایک سے لڑتا ہے)
(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی)

(xvi) ایک گنوار اعرابی کا کچھ قرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا اس نے تقاضے میں سخت ناجائز باتیں کہیں (عبرانی، حاکم، ابن حبان اور بیہقی کی روایات کے مطابق وہ شخص اس قدر بڑھ گیا کہ رسول اللہ صلعم کے آباؤ اجداد اور خاندان تک کو برا کہنے لگا کہ تم بنی مطلب ہمیشہ ہی حیلہ و حوالہ کرتے ہو)۔ صحابہ کرامؓ نے اسے جھڑکا اور سزا دینے کا قصد کیا اور کہا کہ تو جانتا نہیں کس سے مخاطب ہے۔ وہ گنوار اعرابی بولا۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قرض خواہ کی طرف داری کیوں نہیں کرتے کیونکہ قرض خواہ کی مقروض پر حکومت ہے جب تک کہ وہ قرض ادا نہ کر دے (سبحان اللہ کیا عدل و انصاف کی معراج ہے)
(روایت ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ۔ کتاب الصدقات۔ ابن ماجہ)

(xvii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"افضل جہاد یہ ہے کہ انسان ظالم حکمران کے سامنے عدل و انصاف (کلمۃ العدل) کی بات کہے"
(روایت حضرت ابو سعید خدریؓ۔ کتاب الفتن۔ ابن ماجہ)

(xviii) لعان کے مقدمات میں حکم الٰہی آنے سے پہلے چند متعلقہ واقعات مجالس صحابہ میں زیر بحث رہا کرتے تھے۔ ایک روز انصار مدینہ کے سردار حضرت سعید بن عبادہؓ

کہہ بیٹھے کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں تو تلوار سے فوراً اس کا علاج کر دوں (رسول اکرم صلعم نے قانون کو ہاتھ میں لینے کے اس طرز عمل کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا) سنو! تمہارے سردار کیا کہتے ہیں۔ وہ بڑے غیرت والے اور عزت دار ہیں لیکن میں ان سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ جل جلالہ، مجھ سے بھی زیادہ غیرت رکھتا ہے (وہ اس باب میں جلد ہی کوئی حکم وحی فرمائے گا اور بعد میں لعان سے متعلق احکام النور ۲۴: ۶ تا ۱۰) میں آ گئے)

(روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب اللعان۔ مسلم + روایات حضرت سلمہ بن محبقؓ اور حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

(xix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات پسند کیا کرتے تھے کہ مقتول کے ورثا قصاص معاف کر دیں چنانچہ رسول اکرم صلعم نے طالب قصاص ایک صحابیؓ سے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ قاتل تیرے اور تیرے مقتول کے گناہ روز قیامت سمیٹ لے تو پھر قصاص سے درگزر کر۔ طالب قصاص نے کہا میں یہ چاہتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہو گا۔ (اس باب میں حضرت انس بن ماؓ اور حضرت بریدہؓ سے بھی ایسی ہی روایات ہیں)

(روایت حضرت وائل بن حجرؓ کتاب القصاص۔ نسائی)

(xx) شریعت اسلامی کی منشا یہ ہے کہ اہل ایمان سزاؤں سے بچ جائیں۔ وہ اہل ایمان کا سزاؤں سے بچ جانا ہی پسندیدہ رکھتی ہے۔ اسی سلسلے میں رسول اکرم صلعم کا ارشاد ہے کہ "(اپنے معاشرے کے) عزت داروں کی خطائیں معاف کر دو لیکن حدود میں کوئی رعایت نہیں ہو سکتی" (روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کتاب الحدود۔ مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فطری صلاحیتوں، کمزوریوں اور مطالبات کو پیش نظر رکھ کر

زندگی کے ہر شعبے کے لئے جو احکام دیئے ہیں ان میں ایک خاص یکسانیت دیکھی جا سکتی ہے کہ ان میں متشدد پسندی نہیں ہے بلکہ اعتدال کی ایک یکساں روح رواں ہے انسان نے جب بھی قانون سازی کا کام خود سنبھالا ہے وہ اپنے آپ کو اپنے فطری غیر عادلانہ اور غیر معتدل رویہ سے الگ تھلگ نہیں کر سکا۔ اس لئے انسان کے بنائے تمدن میں ان فطری خصوصیات اور مصالح و مقاصد کا لحاظ نہیں رکھا گیا چنانچہ جلد ہی ان کے برے اثرات ظاہر ہوئے جس نے اس نظام تمدن و تہذیب میں فساد پھیلا دیا۔

اس بات کو اگر ہم اور واضح کرنا چاہیں تو یوں سمجھیں کہ انسان اپنی فطری کمزوری کے باعث مختلف پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دوسرے پہلو یا تو اس کی نظر میں نہیں آتے یا وہ انہیں جان بوجھ کر نظرانداز کر دیتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں ہم کو انسان کی یہ کمزوری نظر آتی ہے تو تمدن و تہذیب کے وسیع تر مسائل انسان کی اس فطری کمزوری سے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔ انسان کے راہ نما عقل و شعور کے ساتھ ساتھ جذبات و رجحانات بھی ہوتے ہیں جن کے تحت ایک فیصلہ کرنے کے بعد انسان اس غلط فیصلے کے لئے عقل و فکر اور شعور کو مجبور کر کے اس رجحان کی تائید میں دلائل فراہم کرواتا ہے۔ اس افراط و تفریط کو بے اعتدالی کہا جاتا ہے۔ اسلام اس کے بجائے اعتدال کا سبق دیتا ہے۔

ہم اس افراط و تفریط کی ایک ہی مثال معاشرے میں عورت کے مقام ہی کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ وہ عورت جس کا انسانی تمدن کی تخلیق اور تعمیر میں ایک برابر کا مقام ہے، اسلامی معاشرت کی تخلیق و تعمیر میں عورت کا مقام مرد سے کئی درجوں میں زیادہ اہم ہے۔

ایک گروہ نے عورت اور مرد کے تعلقات ہی کو قابل نفرت قرار دیا۔ یہ بے اعتدالی ہمیں بدھ مت، عیسائیت اور بعض ہندو مذاہب میں نظر آتی ہے اس نظریے نے نظام معاشرت میں عورت کا مقام نہایت ذلیل کر کے رکھ دیا اور عورت کو شیطان کا ایجنٹ قرار دیا، اسے ایک ناپاک اور مجسمہ شر وجود قرار دیا جس سے نفرت ہر طہارت نفس کے طالب کے

لئے ایمان بن گیا۔

ایک اور گروہ نے (ہندومت کے بعض مذاہب) عورت کا مقام اور گرادیا۔ وہ ہر حال میں ملازمہ اور لونڈی ہے بلکہ زندہ درگور ہے۔ اس بے چاری کے حصے میں فرائض ہی فرائض ہیں، حقوق کا خانہ خالی ہے یہاں تک کہ اپنے مرنے والے شوہر کے ساتھ اسے زندہ جل جانے کا حکم دیا جاتا تھا اور بے چاری اس پر بے چون وچرا عمل کرتی تھی۔

ایک اور گروہ نے عورت کو بالکل آزاد کر دیا کہ خاندان کا شیرازہ تک بکھیر ڈالا۔ خاندان میں تنظیم نام کی کوئی چیز نہیں رہنے دی گئی۔ موجودہ مغربی معاشرہ اس افراط اور بے اعتدالی کی زندہ مثال ہے۔

ایک اور گروہ نے عورت کو ایک جاندار، ذی عقل، ذی روح وجود کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بے جان زیور، ایک قیمتی پتھر کی طرح سمجھا۔ اس کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا حالانکہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے مرد کی تعلیم و تربیت کی طرح عورت کی تعلیم و تربیت کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ایک اور گروہ نے محض خانہ داری اور پیدائش اطفال ہی کو عورت کا کام قرار دے ڈالا جس کے نتیجے میں عورت کے تمام معاشی حقوق سلب کر لئے۔ انہیں وراثت اور ملکیت سے محروم کر دیا گیا جس سے عورت اور مرد کے درمیان تعلق ایک آقا اور لونڈی کا بن گیا۔

اس گروہ کے مقابلے میں دوسرے گروہ نے عورت کو بھی خاندان کا ایک کمانے والا فرد بنا ڈالا اور کسب معیشت میں عورت کو شریک کر کے بچوں کی اولین تربیت گاہ کو یکسر ختم کر ڈالا جس کے مفسد نتائج نے انسانی تہذیب و تمدن کا بیڑہ ہی غرق کر دیا۔ والدہ کی اولین تربیت گاہ سے محروم بچے ذہنی مریض بن گئے جن کے کارنامے آج کے مغربی معاشرے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک ناراض نسل پروان چڑھی جس نے تہذیب و تمدن کے رہے سہے نظام کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔

افراط و تفریط کی ان مثالوں پر قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا

ہے۔

"پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا خدا بنالیا۔ اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کے کانوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے علاوہ کون ہے جو اب اسے ہدایت دے کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ (۴۵:۲۳)

افراط و تفریط کی ان مثالوں کے مقابلے پر عورت کے باب میں شان اعتدال اسلام ہی نے پیش کی ہے۔ جس میں فطرت انسانی کے ایک ایک پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔ انسانی ساخت، جبلت، سرشت اور نفسانی خصوصیات اور فطری داعیات کے متعلق حق تعالیٰ نے اپنے مکمل اور تفصیلی علم سے کام لیا ہے۔ یہ اعتدال، توازن اور تناسب اتنا مکمل ہے کہ انسان خود اپنی عقل اور کوشش سے اس کو پیدا ہی نہیں کر سکتا۔

اسلام نے سب سے پہلے زوجیت کو اساس قرار دیا ہے یعنی یہ حقیقت کہ ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی دونوں زوج مل کر ہی ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ (۵۲:۵۵) (۳:۱۳) (۳۶:۳۶) (۱۱:۴۰) (۲۷:۲۳) (۶:۱۴۳) (۶:۳۹) (۴۲:۱۱) اور (۵۱:۴۹) اور اس زوج بنانے کا مقصد اول سلسلہ تناسل کو جاری کرنا ہے (۴۲:۱۱) (۲:۲۲۳) مرد اور عورت کا بحیثیت زوجین تعلق بقائے نسل کے بعد محبت، انس اور تعلق ارواح کا ہے، وہ ایک دوسرے کے راز دان اور شریک رنج و غم ہیں۔ (۲:۱۸۷) (۳۰:۲۱) پھر زوجین کے درمیان اس تعلق پیار و محبت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کی محبت زوجین کی فطرت میں ہے خصوصاً عورت کی ساخت ہی اس طرح کی ہے۔ (۳۱:۱۴) (۴۶:۱۵) (۳:۱۴) اس تعلق سے پھر رشتہ دار، خاندان، قبائل اور قومیں بنتی ہیں اور ان کے تعلق ہی سے تہذیب و تمدن وجود میں آتا ہے۔ (۲۵:۵۴) (۴۹:۱۳) (۸:۷۵)

اسلامی تہذیب میں عورت اور مرد کے تعلقات کا ایک نہایت معتدل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے نہایت قریبی خونی رضاعی رشتوں کے درمیان حرمت قائم کی گئی

تاکہ ان رشتوں کے مردوں اور عورتوں کے درمیان صنفی میلان ہی کا خاتمہ ہو جائے (۴:۲۲۔۲۳) پھر دوسروں کی منکوحہ عورتیں حرام قرار دی گئیں۔ (۴:۲۴) اور باقی عورتوں سے بھی بے ضابطہ صنفی تعلق کو حرام قرار دیا گیا۔ (۱۷:۳۲) (۴:۲۴۔ ۲۵)، عورت کے حقوق مرد کے برابر قرار دیئے گئے۔ (۲:۲۲۸) لیکن بحیثیت قوام اور سربراہ خاندان مرد کو ایک درجہ فضیلت دی گئی۔ (۲:۲۸) (۴:۳۴) اور عورت کی خوبی ہی یہ قرار دی گئی کہ وہ مرد کے حقوق کا خیال رکھنے والی ہو۔ (۴:۳۴)، مرد کو نظم خاندان کے لئے دیئے گئے حقوق کے ناجائز استعمال کو روکا گیا ہے۔ عورت کو ایسے مواقع فراہم (معاشی آزادی) کر دیئے گئے ہیں کہ وہ نظم معاشرت کے حدود میں اپنی فطری صلاحیتوں کو ترقی دے اور تعمیر تمدن میں اپنا کردار ادا کرے اور ترقی اور کامیابی کے ہر مرحلے کو زیر کرے۔ اور ان نتائج کو حاصل کرنے کے لئے عورت کو وراثت کے وسیع حقوق دیئے گئے ہیں۔ اسے شوہر سے مہر اور نفقہ کے حقوق دلائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے ملکیت، تجارت اور قبض و تصرف کے مرد جیسے ہی حقوق دیئے گئے ہیں۔ شوہر کے انتخاب میں آزادی دی گئی ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف یا رضامندی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ ایک ناپسندیدہ، ظالم یا ناکارہ شوہر سے خلع اور فسخ و تفریق کے وسیع حقوق دیئے گئے ہیں۔ مرد کو عورت سے حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴:۱۹) (۲:۲۳۷)، عورت کو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا گیا ہے۔ جان و مال اور عزت کے تحفظ میں اسلامی قانون نے مرد اور عورت کے درمیان کسی امتیاز کو روا نہیں رکھا ہے۔ عورت کو دینی و دنیوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو مردوں کی تعلیم و تربیت کی طرح ضروری قرار دیا گیا ہے۔ عورت کی عزت اور عورت کے حق کا تخیل انسان کے دماغ میں اسلام ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے اعلان کیا کہ عورت بھی اسی طرح انسان ہے جس طرح مرد ہے۔ (۴:۱) اللہ کی نگاہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۴:۳۲) (۳:۱۹۵) (۴:۱۲۴) (۱۶:۹۷) (۳۴:۷۳) (۴۰:۴۰) (۵۷:۱۳) ایمان اور عمل صالح کر کے روحانی ترقیات کے

دروازے مردوں کی طرح عورتوں کے لئے کھولے گئے ہیں۔ مرد کو یہ احساس دلایا گیا کہ جیسے تمہارے عورتوں پر حقوق ہیں بعینہ ویسے ہی حقوق عورتوں کے تم پر بھی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے مرد کو بتایا کہ عورت یا بیٹی ذلت اور عار نہیں ہے، بلکہ جنت کی کنجی ہے۔ (۱۶:۵۹) (۴۳:۱۶ تا ۱۸) مرد کو بتایا گیا کہ نیک بیوی بہترین نعمت خداوندی ہے۔ اولاد کے لئے باپ (مرد) سے پہلے ماں (عورت) کا مقام رکھا گیا اور مردوں کو عورت کے جذبات اور حسیات کی نزاکت سے آگاہ کر کے ان کے خیال رکھنے کا حکم دیا گیا اور سب سے بڑھ کر عورت کے حقوق کی حفاظت اور مردوں کے ظلم کی روک تھام کے لئے قانون کی مدد بھی فراہم کر دی گئی۔ مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیات سے عزت اور ترقی کے بلند سے بلند مدارج تک جا سکتی ہے جن تک مرد جاتا ہے۔ مغرب نے عورت کو ظاہری طور پر جو دیا ہے عورت کی حیثیت سے نہیں بلکہ مرد بنا کر دیا ہے۔ گھر کی مالکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں اور ایک حقیقی عورت کے لئے مغربی افکار و تمدن میں آج بھی ذلت ہی ذلت ہے۔ افکار انسانی کا ارتقاء اب بھی عورت کے معاملے میں اس مقام سے بہت دور ہے جس پر اسلام نے عورت کو پہنچایا۔

اسلامی تمدن عورت کو عورت اور مرد کو مرد رکھ کر دونوں سے الگ الگ کام لیتا ہے وہی کام جس کے لئے فطرت نے انہیں بنایا ہے اور پھر ہر دونوں کو عزت و ترقی اور کامیابی کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال و توازن کی اس روش کو قرآن حکیم "سوآء السبیل" (۵ : ۱۲) قرار دیتا ہے "یعنی توسط و اعتدال کی شاہراہ" یا "صراط مستقیم" یعنی زندگی کے ان ٹیڑھے اور غلط راستوں کے درمیان ایک درمیانی وسط راہ جس میں انسان کی تمام قوتوں، خواہشوں، جذبات، رجحانات، روحانی و جسمانی تقاضوں اور مسائل زندگی کے ساتھ مکمل انصاف و عدل کیا گیا ہو اور یہ درمیانی اعتدالی اور متوازن طرز عمل ہی انسانی زندگی کے صحیح ارتقاء اور کامیابی و بامرادی اور فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔ انسان کی اپنی فطرت اسکی طالب ہے لیکن انسان اس سواء السبیل کو تلاش کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہے، اس کی طرف راہ نمائی حق تعالیٰ ہی کر سکتا ہے جو

انسانی قوتوں، قابلیتوں، خواہشات، جذبات، رجحانات اور جسم اور نفس کے مطالبات، روح اور طبیعت کے تقاضوں غرض انفرادی اور اجتماعی تمام تقاضوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اس کام کے لئے حق تعالیٰ نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، پے در پے انبیاء مبعوث فرمائے تاکہ وہ براہ راست انسان کو اس صراط مستقیم اور سواء السبیل کی طرف راہ نمائی کر سکیں، اس کے مقابل رویہ کو قرآن نے زیغ کہا ہے یعنی کجی میں ایک طرف بلاوجہ و بلاجواز جھک جانا۔ اہل کتاب میں سے یہودی خاص طور پر اس بیماری میں مبتلا تھے، یہ ہر گمراہ قوم کی ایک عام بیماری ہے کہ فلسفیانہ موشگافیاں کر کے ایک گورکھ دھندے میں پھنس کر گمراہیوں کا ایک سیلاب لے آتے ہیں۔ یہودی تو اپنی ہر گمراہی کی توضیح کرتے تھے اور انبیاء کرام کی موجودگی میں ان فاسد حرکات میں ملوث ہوتے تھے۔ (۲. ۶۷ تا ۷۱۔ ۱۰۲۔ ۱۱۱ تا ۱۱۳۔ ۲۴۶ تا ۲۴۹) (۶۱. ۵)

اس بے اعتدالی کو ایک روزمرہ مثال کے ذریعے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ زید اور بکر دو بھائی ہیں۔ زید غصے کا بہت تیز اور نہایت جلد باز ہے ہر بات میں بغیر سوچے سمجھے فیصلہ کر لیتا ہے، بہت جلد غصے میں آ جاتا ہے اور جلد بازی اور غصے میں ہمیشہ بے اعتدالی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے جب کہ اس کے برعکس بکر ہر معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہے اور درست فیصلے پر پہنچتا ہے اس مثال ہی سے جان لیں کہ بے اعتدالی انسان کے لئے کتنے نقصان لاتی ہے جبکہ اعتدالانہ روش انسان کے لئے فوائد کا سمندر رکھتی ہے اس انفرادی اور محدود مثال کو اگر ہم بنی نوع انسان پر بحیثیت مجموعی پھیلالیں تو یہ بات ناقابل بحث بن جائے گی کہ زندگی کے ہر شعبے میں اعتدالانہ اور میانہ روی انسان کے لئے فوائد کی حامل ہے اور اس عدل کے رویے ہی کو قرآن کے ذریعے حق تعالیٰ نے پیش کیا ہے جس کو وہ انسانی زندگی کے ہر ہر میدان میں پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ انسانی معاشرہ بے اعتدالی سے محفوظ رہے۔ یہ رویہ ہی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اس لئے نہیں کہ اس میں خالق انسان کا کوئی فائدہ ہے بلکہ صرف اس لئے کہ یہ رویہ اختیار کرنے سے انسان کے اپنے لئے فلاح ہی فلاح ہے۔

باب ۷

عدل ہی مقصد بعثت انبیاء اور اسلامی ریاست کا مقصد وجود ہے

جب حق تعالیٰ سب سے بڑا عادل ہے، جب اسکی تخلیق و تدبیر کائنات کا اولین مقصد ہی عدل ہے اور جب دنیوی اور اخروی زندگی میں قیام عدل ہی انسان کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے تو بعثت انبیاء اور اسلامی ریاست کا مقصد وجود بھی قیام عدل ہی ٹھہرا، اور اس عدل کے وسیع مفہوم میں زندگی کے وہ تمام شعبے آجاتے ہیں جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے یکسر پاک ہوں۔

— نظام عدل کا قیام رسول اللہ صلعم کے فرائض منصبی میں سے تھا۔ (۳۶:۳۳) (۲۵:۵۷) (۱۰۵:۴) (۱۵:۴۲)

— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی تھے (۵۹:۴ ـ ۶۱ ـ ۶۵ ـ ۱۰۵) (۳۶:۳۳) (۵۱:۲۴ ـ ۵۲) (۱۰:۴۲ ـ ۱۵)

— عدل و انصاف قرآن کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ (۸:۵) (۵۸:۴)

— اسلامی ریاست کا اصل مقصد ظلم وجور کو ختم کر کے عدل و انصاف قائم کرنا ہے اور ساتھ ساتھ وہ بین الاقوامی عدل کی علمبردار بھی ہے۔ (۹۰:۴) (۸:۵)

(۲۵:۵۷) (۳۴:۱۷) (۱۶:۹۱_۹۲_۹۴) (۹:۴_۷) (۸:۴۲_۵۸) (۴۲:۴۰ تا ۴۲) (۱۶:۱۲۶) (۸:۶۱) (۲۸:۸۳) (۶۰:۸) (۵۵:۶۰) (۲:۱۹۴)

— اسلامی حکومت عدل بین الناس کی علمبردار ہوتی ہے۔ (۵:۴۲) (۶۰:۸) (۴:۵۸) (۷:۱۸۱) (۱۱:۸۵) (۶:۱۵۳) (۷:۲۹) (۱۶:۹۰) (۷:۱۵۹) (۵۵:۷ تا ۹) (۲۶:۱۸۲) (۱۷:۳۵) (۸:۳۹) (۶:۱۶۱ تا ۱۶۵) (۴۲:۱۵) (۵۷:۲۵) (۱۶:۷۶- ۹۰) (۵:۴۵) (۱۰:۲۵) (۳۸:۲۶)

— اسلامی ریاست مساوات بین الناس کی علم بردار ہوتی ہے یعنی (بلحاظ رنگ و نسل، زبان و وطن کی برابری) کسی فرد، گروہ، طبقے یا نسل و قوم کو کوئی بھی امتیازی حقوق حاصل نہیں ہوتے (۷:۱۵۷_۱۵۹) (۹۰:۱۳) (۴۹:۱۰_۱۳)

— جو لوگ اسلامی ریاست کے امن وچین اور نظام عدل وقسط کو درہم برہم کرتے ہیں اور فساد پھیلانے کے درپے رہتے ہیں ان کی سزا (۵:۳۳- ۳۴)

— اولی الامر حضرات کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے اور خواہشات نفس کی پیروی نہ کرنے کا حکم کہ یہ نفسانی خواہشات اللہ کی راہ سے بھٹکا دیتی ہیں۔ (۳۸:۲۶)

— عدل کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حیثیت کے چار معانی ہیں بمطابق (۴۲:۱۵)

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف و عدل اختیار کرنے پر مامور ہیں۔ آپؐ کا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر عدل و انصاف کا تعلق، آپ حق کے ساتھی ہیں خواہ وہ غیروں کے غیر ہی کی طرف ہو۔

(ii) دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے یکساں ہے۔ اس میں اپنے اور غیر بڑے اور چھوٹے غریب اور امیر کے لئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں جو حق ہے

سب کے لئے حق ہے اور جو گناہ ہے سب کے لئے گناہ ہے اور اس بے لاگ ضابطے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کو بھی کوئی استثناء نہیں ہے۔

(iii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہیں اور ان بے انصافیوں اور بے اعتدالیوں کا خاتمہ کرنے پر مامور ہیں جو انسانی معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔

(iv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرر کردہ قاضی اور جج ہیں اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کرنا آپؐ کی ذمہ داری ہے۔

— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو وسط، معتدل اور عادل وثقہ بنایا گیا ہے۔ (۲:۱۴۳)

— انبیائے کرام کی بعثت کا اصل مقصد عدل و انصاف کو قائم کرنا اور فساد دور کرنا تھا۔ اور اب اسلامی حکومت بلکہ ہر مومن اس کا مکلف ہے۔ اس ہی لئے اہل ایمان کو قیام بالقسط اور شہادت للہ کا حکم بھی دیا گیا اور ایک دوسری جگہ قیام للہ اور شہادت بالقسط کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴:۱۳۵) (۵:۸-۴۲) (۵۷:۲۵)

— اولی الامر حضرات کو حکم کہ زمین پر انسان کے لئے اللہ کی خلافت و نیابت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان حق اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ (۳۸:۲۶) قرآن حکیم وہ نظام عدل رائج کرنا چاہتا ہے جس کا میزان عدل صرف لینے کے لئے ہی نہیں بلکہ دینے کے لئے بھی ہے۔ وہ اہل ایمان اور ان کی حکومت سے ہر حال میں اس نظام قسط و عدل پر قائم رہنے کا مطالبہ کرتا ہے، معاملہ چاہے غیروں کا ہو یا رشتہ داروں کا، امیر کا ہو یا غریب کا، دوست قوم کا ہو یا دشمن قوم کا ہو ایک ہی بات ہو گا، ایک ہی میزان ہو گا، ایک ہی حکم و فتویٰ ہو گا، یہ ہی اللہ کے میزان عدل و حق کی شان ہے اس لئے کہ اللہ کا حق سب پر یکساں ہے اور یہ حق انسان کے سارے حقوق سے بڑا بھی ہے (۴:۱۳۵) (۵:۸)

— اللہ تعالیٰ تخلیق کے بعد حکومت انسان کے سپرد کر کے الگ تھلگ نہیں بیٹھ گیا بلکہ اولی

الامر حضرات پر پوری نظر رکھے ہوئے ہے کہ رعایا کے درمیان عدل و انصاف کیونکر کرتے ہیں اس سلسلے میں قرآن حکیم نے حضرت داؤدؑ (باپ) اور حضرت سلیمانؑ (بیٹے) کی مثال دی ہے کہ جب باپ سے عدل میں لغزش ہوئی تو بیٹے نے حق نصیحت ادا کیا اور باپ نے جوں ہی محسوس کیا کہ بیٹے کی رائے قرین عدل ہے وہ بے چون وچرا رجوع کر گئے۔ یہ ہی کردار حکمرانی کا جوہر ہے جو قرآن حکیم نے قصہ داؤد و سلیمانؑ میں بیان کیا ہے (۲۱: ۷۸-۷۹)

— رسولوں اور کتابوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہی تھا کہ زندگی کہ ہر شعبے میں حق و عدل اختیار کیا جائے عقائد میں بھی عدل اور انفرادی اور اجتماعی اعمال میں بھی حق و عدل سے مرصع اور ظلم و جور سے پاک راہ اختیار کی جائے اور اللہ کے رسولوں کی قیادت میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں کی راہ نمائی میں حق و عدل قائم کیا جائے اور اہل ایمان حق وعدل کے علمبردار بنیں (۴۲: ۱۵-۱۷) (۵۷: ۲۵) اسی پہلو سے قرآن حکیم کو مھیمن کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں کسوٹی یعنی پرکھ کر کھوٹے اور کھرے کو الگ کرنے والی کسوٹی عدل اور قسط کو قائم کرنے کے لئے کسوٹی اور میزان دونوں کی ضرورت ہے اور قرآن حکیم کی یہ دونوں خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ (۴۲: ۱۷) اور (۵: ۴۸)

— جب معاشرے میں عدل نہ ہوگا تو قانون کی اطاعت بھی نہ ہوگی۔ قرآن حکیم اس حالت انار کی کو فساد قرار دیتا ہے جب انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگ جائیں اور حقوق العباد کا قتل عام کر دیا جائے۔ (۴۷: ۲۱-۲۲)

— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان کرنے کا حکم کہ رب تعالیٰ نے قسط کا حکم دیا ہے۔ (۷: ۲۹)

— رسول کی بعثت کے بعد کسی قوم کا معاملہ انصاف و قسط کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے۔ (۱۰: ۴۷)

— عدل ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا بنیادی اصول رہا ہے اسی ہی لئے دانت کے

بدلے دانت، جان کے بدلے جان وغیرہ کا اصول عدل تورات میں بھی تھا۔ (۴۵:۵)

— اللہ تعالیٰ نے عین حق کے مطابق کتاب اتاری لیکن لوگ دنیوی فوائد کے لئے اس کے احکام چھپاتے ہیں یا بدل دیتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ (۲: ۱۷۴ تا ۱۷۶)

— قرآن کی سیاسی تعلیمات میں عدل کا نمونہ کہ دنیوی مال و دولت کے بجائے دماغی جسمانی اہلیت و صلاحیت رکھنے والے کو اقتدار پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار قرار دیا گیا ہے۔ (۲:۲۴۷)

دعوت حق کا بنیادی مقصد "امر بالقسط من الناس" یعنی خلق خدا میں عدل و راستی کی دعوت ہے۔ (۳:۲۱)

— اسلامی ریاست کسی شخص کا قتل دو صورتوں میں حکم کر سکتی ہے (۱) اللہ کی زمین میں فساد و فتنہ پھیلانے کے جرم میں (۲) کسی دوسرے انسان کو قتل کے بدلے میں۔ (۵:۳۲)

— اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کو عدل و انصاف کے فیصلوں کا مدار ہونا چاہئے اور کتاب اللہ کے احکام کے مطابق ہی معاملات کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے یہ ہی اللہ کا حکم تورات کے متعلق تھا اور یہ ہی انجیل کے متعلق تھا اور اب یہ ہی حکم قرآن مجید کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے کہ جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ (۵:۴۴ تا ۵۰) جو کتاب اللہ کا فیصلہ نہیں چاہتے وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ اہل ایمان کا اولین فرض یہ ہی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کو اپنے معاشرے کے ہر شعبے میں نافذ کریں۔ (۵:۶۶ تا ۶۸) اور پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے اور اس کے فرامین کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے، اور اللہ نے پوری تفصیل

کے ساتھ اپنی کتاب نازل بھی کر دی ہے۔ (۶: ۱۱۴-۱۱۵)

— فرعون کا فساد کہ زمین میں سرکشی کرتا تھا انسانوں کو اس نے گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو ذلیل کرتا تھا ان کے لڑکے قتل اور لڑکیاں زندہ رہنے دیتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس غیر عادلانہ اور ظلم کی حالت کو بدل ڈالا اور کمزور و مظلوم طبقے کو پیشوا بنا ڈالا انہیں وارث بنایا اور زمین میں اقتدار سے نوازا یہ ہی اللہ تعالیٰ کا بے لاگ عدل اور قانون مکافات عمل ہے۔ (۲۸: ۴ تا ۶)

— حضرت داؤد کے پاس فریقین مقدمہ کا پیش ہونا تاکہ وہ ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق فیصلہ کر دیں، بے انصافی نہ کریں اور راہ راست بتا دیں (۳۸: ۲۲)

— قرآن مجید اصلاح معاشرہ کے پروگرام میں State Power کے ذریعے بھی کام لیتا ہے بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ صاحب امر کے ذریعے اس سے زیادہ اصلاح و درستگی کر دیتا ہے جتنی قرآن حکیم کے ذریعے کرتا ہے۔"

اس سلسلے میں مزید تفصیلات باب نمبر ۱۵ (اسلام کا بے مثال عدل اجتماعی) میں ملاحظہ فرمائیں۔

— انبیائے کرام علیہ السلام اور جماعت مومنین کا کام عدل و قسط کا نفاذ ہے۔ (۲۲: ۶۰-۶۲) (۵۷: ۲۵) (۳: ۱۷) (۴۲: ۱۵) (۵: ۴۲)

آخر میں ہم اس باب کے عنوان کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کریں گے تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ کیا تو فرمایا "مظلوم کی بد دعا سے بچیو کیونکہ اسے اللہ تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

(روایت حضرت ابن عباسؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

(ii) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نے انہیں یمن کا حکمران (گورنر اور قاضی) بنا کر بھیجا تو پوچھا تو کیونکر فیصلہ کرے گا۔ میں نے کہا میں کتاب

اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پائے۔ حضرت معاذؓ نے کہا پھر میں اللہ کے رسولؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا رسول اللہؐ نے کہ اگر میرے فیصلوں میں تجھے جواب نہ ملا تو حضرت معاذؓ نے کہا تو پھر میں اجتہاد کروں گا اپنی رائے سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا سب "تعریف اللہ کی ہے جس نے میرے حکمران و قاضی کو توفیق خیر دی"

(ابواب الاحکام ــ ترمذی اور کتاب القضاۃ ــ ابو داؤد)

(iii) حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے رسول اللہ صلعم نے حاکم یمن مقرر کیا تو اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ کوئی تحفہ اور ہدیہ میرے حکم اور اجازت کے بغیر نہ لینا یہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا وہ روز قیامت اپنی خیانت سمیت حاضر کیا جائے گا۔ (ابواب الاحکام ــ ترمذی)

(iv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تین افراد کی دعائیں اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں کرتا (یعنی وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں) اور ان میں سے ایک عادل حکمران بھی ہے۔" (روایت حضرت ابوہریرہؓ ــ ابواب الدعوات ــ ترمذی)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ بیت المقدس کے بنانے سے فارغ ہوئے تو اللہ جل جلالہ سے انہوں نے تین (مقبول) دعائیں کیں جن میں ایک یہ تھی کہ میں جو حکم اور فیصلہ کروں وہ اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے مطابق ہو (یعنی عدل و انصاف کے مطابق ہو، صواب کے عین مطابق ہو اور خطا سے مبراء ہو)

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ــ کتاب اقامتہ الصلوۃ والسنتہ فیھا ــ ابن ماجہ)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت و رعیت دی ہو پھر وہ ایسی حالت میں مرے کہ رعیت کے حقوق میں خیانت کرتا ہو اور مسلمانوں کی بھلائی کی

کوشش نہ کرے اور خالص نیت سے ان کی بہتری نہ چاہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا"

(کتاب الایمان اور کتاب الامارت ــ مسلم)

(vii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

حضرت عیسیٰؑ نزول ثانی پر امام ہوں گے انصاف کرنے والے اور حاکم ہوں گے عدل کرے والے"

(روایت حضرت ابوہریرہؓ ــ کتاب الایمان ــ بخاری)

(viii) حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ

"یا اللہ میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو جن کو میں نے (صوبوں) ملکوں میں حکومت دی ہے میں نے ان کو صرف اس لئے مقرر کیا ہے کہ لوگوں کو دین کی باتیں بتائیں، رسول اللہ صلعم کا طریقہ بتائیں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کریں"

(کتاب المساجد ــ مسلم)

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"امام و حاکم رعیت کے لئے سپر اور ڈھال ہے جس کے پیچھے اہل ایمان جہاد کرتے ہیں اور اسکی وجہ سے تکالیف سے بچتے ہیں پھر اگر حاکم و امام اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور انصاف کرے تو اسکو ثواب ہے اور جو عدل و انصاف کے خلاف حکم دے تو ایسے حاکم و امام ہی پر وبال ہے"

(روایت حضرت ابوہریرہؓ ــ کتاب الامارت ــ مسلم اور کتاب البیعت ــ نسائی)

(x) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بڑا لمبا خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ آگاہ رہو میرے رب نے مجھے حکم کیا ہے کہ سکھلاؤں تم کو جو تم کو معلوم نہیں ان باتوں میں سے جو میرے رب نے مجھے سکھلائی ہیں (اور پھر اور باتوں کے علاوہ فرمایا) جنت میں تین اشخاص ضرور داخل ہوں گے ان میں سے اول وہ ہے جو حکومت و رعیت

رکھتا ہے اور انصاف کرتا ہے سچا ہے اور نیک کاموں کی توفیق دیا گیا ہے"

(روایت عیاض بن حمار مجاشعی ــ کتاب الجنتہ و صفتہ ــ مسلم)

(xi) رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے پیارا اور اللہ کے نزدیک بیٹھنے والا حاکم عادل ہو گا اور سب سے زیادہ دور بیٹھنے والا اور اللہ کا دشمن ظالم حاکم ہو گا۔"

(روایت ابو سعید خدریؓ ابواب الاحکام ــ ترمذی اور کتاب الامارت و القضاء ــ مشکوٰۃ المصابیح)

(xii) رسول اکرم صلعم نے فرمایا :۔

"بے شک اللہ تعالیٰ عذاب دے گا انہیں جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں" (یعنی عدل و انصاف نہیں کرتے، ظلم کرتے ہیں، بندگان خدا کو قصور سے زیادہ سزا دیتے ہیں یا بلا قصور سزا دیتے ہیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب انہیں شکایت ملی کہ ان کا مقرر کردہ حمص کا عامل جزیہ وصول کرنے کے لئے قبطیوں کو دھوپ میں کھڑا کر دیتا ہے۔

(روایت ہشام بن حکیم بن حزام ــ کتاب الفرائض ــ ابو داؤد)

(xiii) حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ میں نے اپنے عاملوں کو تمہارے اوپر حکمران بنا کر اس لئے نہیں بھیجا کہ تمہارے جسموں کو ماریں اور تمہارا مال چھین لیں اگر کوئی ایسا کرے تو میرے پاس آنا میں تمہارا بدلہ لوں گا اور پھر کہا قسم ہے خدا تعالیٰ کی میں ضرور بدلہ لوں گا اور میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنی ذات بابرکات سے بدلہ دلوایا"

(کتاب الدیات ــ ابو داؤد)

(xiv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی تعزیم (یعنی اللہ تعالیٰ عزت کرتا ہے) اس حاکم کے لئے ہے جو

منصف ہو (یعنی عدل و انصاف کرتا ہو)"

(روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ـ کتاب الادب ـ سنن ابو داؤد اور باب الشفقت والرحمت ـ مشکوٰۃ المصابیح)

(xv) "اولی الامر اور امام ایک ڈھال ہے کہ اس کے پیچھے قتال کیا جاتا ہے اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس کے لئے اس بات کا اجر ہے اور اگر اس کے علاوہ حکم کرے تو اس کے لئے گناہ ہے۔"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ ـ کتاب الامارۃ والقضا ـ مشکوٰۃ المصابیح)

(xvi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میرے بعد امراء ہوں گے جو جھوٹے ہوں گے اور ان کے پاس ایسے لوگ داخل ہوں گے جو ان کے ہر جھوٹ کی تصدیق کریں گے اور ان کے ظلم میں اعانت کریں گے وہ مجھ میں سے نہ ہوں گے اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہو گا اور نہ ہی وہ میرے پاس حوض (کوثر) پر داخل ہو سکیں گے اور جو شخص ان کے پاس نہ جائے نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور نہ ان کے ظلم میں اعانت کرے تو یہ لوگ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور یہ لوگ میرے حوض پر میرے ساتھ ہوں گے"

(روایت کعب بن عجرہؓ ـ کتاب الامارۃ والقضاء ـ مشکوٰۃ المصابیح)

(xvii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اگر تو کسی کام کا سردار بنایا جائے تو اللہ سے ڈر اور انصاف کر"

(روایت حضرت معاویہؓ ـ کتاب الامارت والقضاۃ ـ مشکوٰۃ المصابیح)

(xviii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"حاکم زمین پر اللہ کا سایہ ہے اللہ کے بندوں میں سے ہر ایک مظلوم اسکی طرف ٹھکانہ پکڑتا ہے جو انصاف کرے اس کے لئے اجر و ثواب ہے اور رعیت کے ذمے شکر واجب ہے جب وہ ظلم کرے تو حاکم پر گناہ ہے اور رعیت کے لئے صبر

ہے"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ـ کتاب الامارت والقضاء ـ مشکوٰہ المصابیح)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے قیامت کے دن درجات میں بہترین نرمی کرنے والا عادل حکمران ہو گا اور درجات میں بدترین سختی کرنے والا ظالم امام ہو گا۔"

(روایت حضرت عمر بن خطابؓ ـ کتاب الامارت والقضاء ـ مشکوٰہ المصابیح)

(xix) "جو شخص بھی دس آدمیوں کا حاکم ہو گا وہ قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ گردن سے جکڑے ہوں گے یا تو حق اور عدل اسے چھڑا لے گا یا اس کا ظلم اسے ہلاک کر دے گا"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ ـ سنن دارمی)

(xx) حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنے بستر مرگ پر ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری زندگی ابھی اور بقایا ہے تو میں رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد بیان نہ کرتا کہ جس بندے کو حاکم بنا کر اللہ تعالیٰ اس کے سپرد رعیت کرے اور وہ اپنی رعیت کے حق میں خیانت کر کے مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا"

(روایت از سنن دارمی)

قرآن حکیم کے ارشادات بابت بعثت انبیاء علیہم السلام اور مقصد اسلامی ریاست کے بعد ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات برائے اولی الامر اور حکام حضرات نقل کیے ہیں جن میں ان سے عدل و انصاف کا علم بلند کرنے کو کہا گیا ہے۔ حکمران حضرات خود ہی اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لیں کہ وہ کس حد تک ارشادات خداوندی اور فرامین رسول اللہؐ پر عمل پیرا ہیں۔

عدالتوں اور قضاء حضرات کے لئے قرآنی احکام اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اگلے باب نمبر (۸) میں نقل کریں گے۔

باب ۸

اسلامی ریاست میں عدلیہ کا مقام اور عدلیہ کی مطلوبہ صفات

— امیر و غریب عدل کے ترازو میں ایک ہی وزن رکھتے ہیں۔ (۴: ۱۳۵) (۶: ۵۲۔ ۵۳)

— کسی کے کردار کے تعین سے پہلے اس کا پچھلا ریکارڈ دیکھو۔ (۱۰: ۱۶)

— عدل و انصاف کرنے کا حکم۔ (۵۷: ۲۵) (۴: ۵۸) (۴: ۱۰۰۔ ۱۳۵) (۵: ۸۔ ۴۲) (۷: ۲۹) (۱۱: ۸۵) (۵: ۴۵) (۱۷: ۳۵) (۲۶: ۱۸۲) (۵۵: ۷ تا ۹) (۱۶: ۹۰) (۴۲: ۱۵) (۴۹: ۹) (۳۶: ۲۶)

— انصاف و عدل میں کسی قسم کا تعصب داخل نہ کرو۔ (۴: ۱۰۵ تا ۱۰۸، ۱۳۵۔) (۶: ۱۵۲۔ ۱۵۳) (۵: ۸)

— کسی بات کی بے لاگ تحقیق کے بغیر فیصلہ نہ کرو، سوچ سمجھ اور تحمل کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کا فیصلہ شیطان کی طرف سے ہے (۴: ۹۴) (۶۸: ۴۸)

— رشوت لینا عہد شکنی اور حرام ہے۔ (۱۶: ۹۵) (۲: ۴۱۔ ۱۷۴۔ ۱۸۸) (۵: ۴۱۔ ۴۲) اور مزید (۹: ۹)

— اللہ تعالیٰ کی صفت — عدل و انصاف (۴۰: ۲۰) (۷: ۱۷۰) (۱۰: ۲۷)

(۲۸ : ۳۸)

— آپؐ امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی تھے۔ (۴ : ۱۰۵) (۴ : ۶۱) (۳۳ : ۳۶) (۲۴ : ۵۱ — ۵۲) (۴۲ : ۱۰ — ۱۵) (۴ : ۵۹ — ۶۵)

— انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (۵ : ۴۲) (۴۹ : ۹) (۶۰ : ۸)

— سفارش کی مذمت۔ (۴ : ۸۵) (۵ : ۴۱ — ۴۲)

— عدلیہ کا کام اپنی اور دوسروں کی خواہشات اور دباؤ سے متاثر ہوئے بغیر حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ (۴۹ : ۹) (۱۶ : ۹۰) (۷ : ۱۵۹ — ۱۸۱) (۲ : ۱۷۸) (۴۲ : ۱۵) (۳۸ : ۲۶) (۵ : ۸ — ۴۲ — ۴۸) (۴ : ۵۸ — ۱۳۵)

— اسلامی ریاست اور اس کی عدلیہ عدل بین الناس کی علم بردار ہوتی ہے۔ (۵ : ۴۲) (۶۰ : ۸) (۴ : ۵۸) (۲۶ : ۱۸۲) (۷ : ۵۵ تا ۹) (۷ : ۱۵۹ — ۱۸۱) (۳ : ۷۴) (۲ : ۲۷۵) (۱۱ : ۸۵) (۶ : ۱۵۳) (۷ : ۲۹) (۱۶ : ۹۰) (۱۷ : ۳۰) (۵ : ۹۳) (۸ : ۳۸) (۶ : ۱۶۱) (۱۰ : ۲۶ — ۲۷) (۶ : ۱۶۵) (۴۲ : ۱۵) (۳ : ۱۷) (۵۷ : ۲۵) (۱۲ : ۷۹) (۱۶ : ۷۶ — ۹۰) (۲۷ : ۶۰) (۵ : ۴۵)

(عدلیہ) حکام کے جانب سے عدل کا حکم مندرجہ ذیل مقامات قرآن میں نہایت واضح طور پر دیا گیا ہے۔ (۱۶ : ۹۰) (۴ : ۵۸) (۳ : ۱۵۲) (۵ : ۸) اور یہ عدل مطلق کی سچی ترازو ہے کہ بغض و محبت اسکی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوستی و دشمنی اسکے قواعد و ضوابط بدل سکتے ہیں اور یہ عدل کامل افراد معاشرہ کی باہمی قرابت یا قوموں کی بغض و عناد کسی بھی چیز سے متاثر نہیں ہوتا۔

— عدالت کو قرآن کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے کسی دغاباز خائن کی طرف داری نہیں کرنی چاہیئے اور خدائے غفور و رحیم کی مغفرت طلب کرتے رہنا چاہیئے۔ (۴ : ۱۰۵

۱۰۶ـ ۱۱۰ تا ۱۱۲)

— عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کے پچھلے کردار اور ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے مقدمہ لینے سے انکار کر دے لیکن اگر مقدمہ لے لے تو ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔ (۵: ۴۲ـ ۴۸ـ ۴۹)

— عدالت صاحب عدل فرد پر مشتمل ہونی چاہئے جو عادل ہو اور فقاہت رکھتا ہو اور حقوق فریقین کا صحیح موازنہ کر سکے۔ (۵: ۹۵)

— عدل و انصاف کا صحیح صحیح نفاذ گواہوں پر منحصر ہوتا ہے اگر وہ گواہی و شہادت میں رد و بدل کریں گے تو بار گناہ قانون نافذ کرنے والی عدالتوں پر نہ ہو گا — (۲: ۱۸۱)

— عدل و انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے کیونکہ اسلامی ریاست اور عدلیہ کے لئے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنا قرآن نے واجب کیا ہے۔ (۴: ۵۸)

— صحیح عدالت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرے اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشے (۳۸: ۲۰)

— عدالت کو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم اور خواہشات نفس کی پیروی نہ کرنے کا حکم کہ یہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دیتی ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے پاس سخت عذاب ہے۔ (۳۸: ۲۶)

— مخلوق خدا میں سے ان بندوں کی توصیف جو ٹھیک عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ (۷: ۱۸۱)

— قانون کی منشا کا یقین کرنا عادل افراد ہی کا کام ہے۔ (۵: ۹۵)

— کسی کی بات بے لاگ طریقے سے سنے بغیر فیصلہ کر دینا عدل و انصاف نہیں (۴: ۹۴)

— مقدمات کے فیصلے میں قرائن اور علامات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ (۱۲: ۲۶ تا ۲۸)

— آیت (۵ : ۸) کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب کفار تک کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم تاکیدی دیا گیا ہے تو اہل ایمان کے باہم عدل و انصاف کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔

— جب بھی فیصلہ کرو عدل و انصاف کے ساتھ کرو، کسی کا یہودی، عیسائی منافق اور دشمن دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لئے ہرگز وجہ جواز نہیں بن سکتا۔ (۵ : ۴۲)

— اجتماعی معاملات کے لئے نمازوں کے بعد مسجدوں میں فیصلہ کرنے کے لئے عدالت لگاؤ۔ (۵ : ۱۰۶ تا ۱۰۸)

— جھوٹ اور رشوت نظام عدل کو برباد کر دیتی ہے یہ یہودیوں کی خصلت ہے آیت (۵ : ۸) کے مطابق انصاف کی فراہمی دو باتوں پر مبنی ہے۔ ایک حق و انصاف پر مبنی بے لاگ شہادت دینے والے موجود ہوں اور دوسرے قانون عدل و قسط کے مطابق فیصلہ کرنے والے موجود ہوں اور یہ دونوں لوازمات نظام عدل و انصاف اور قیام عدل و قسط کی ریڑھ کی ہڈی ہیں جبکہ جھوٹ اور رشوت ان کا استیصال کر دیتی ہیں بلکہ نظام عدل و قسط کی بنیاد ہی ڈھا دیتی ہیں۔

شھدا علی الناس اور قوامین بالقسط پر سب سے بڑا خدائی فرض یہ ہی عائد ہوتا ہے کہ وہ حق کی گواہی دینے والے، حق پر قائم رہنے والے اور حق کے مطابق بے لاگ فیصلہ دینے والے بنیں۔ یہ ہی اس میثاق و عہد کی بنیاد اور تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس امت سے لیا ہے جو کتاب و شریعت کی حامل قرار دی گئی۔ لیکن یہ اس ہی وقت ممکن ہے جب انہیں جھوٹ اور رشوت کی چاٹ نہ لگ گئی ہو، جب جھوٹی گواہی ایک پیشہ بن جائے جب جھوٹ کو بیچنے والے، جھوٹی گواہی کی تعلیم دینے والے جھوٹ کو فن بنا دینے والے، جھوٹ کا کاروبار کرنے والے معاشرے میں پیدا ہو جائیں نیز رشوت خوری عام ہو جائے اختیارات رکھنے والے اور عدل و انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے خریدنی اور فروختنی بکاؤ مال بن جائیں کہ جو انہیں خرید سکے

خواہ ظالم ہو یا مظلوم ان کا اختیار واقتدار اور ان کا قلم ان کے حق میں بک جائے تو پھر عدل و قسط اور انصاف کا جنازہ نکل جاتا ہے۔
عدل وانصاف اور قسط کو بخوبی کرنا تقویٰ ہی تو ہے۔ (۵ : ۸)

— حضرت داؤدؑ (باپ) سے جب عدل میں لغزش ہوئی تو حضرت سلیمانؑ (بیٹے) نے حق نصیحت ادا کیا اور کیونکہ بیٹے کی رائے قرین قیاس تھی اس لئے باپ نے بے چون وچرا اپنے فیصلے سے رجوع کیا یہ ہی کردار عدالت کا جوہر عدل ہے جو قرآن نے قصہ داؤد میں بیان کیا ہے۔ (۲۱ : ۷۸_۷۹)

— عدل و انصاف اور قسط کی بنیاد قانون، معاہدہ اور معروف ہوتا ہے اس میں کافر و مومن یا دشمن و دوست کے امتیاز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قانون اور معاہدے کا معروف کے مطابق تقاضا پورا کرنا عدالت کا کام ہے۔ (۶۰ : ۸_۹)

— جب معاشرے میں عدل نہ ہو گا تو قرآن کے مطابق فساد ہو گا۔ (۴۷ : ۲۰_۲۲)

— "عدل" (قسط و انصاف) قرآن حکیم کی ایک نہایت بنیادی قدر ہے اور اہل ایمان کا ایک بنیادی فریضہ ـــــ اعتدال اسی سے نکلا ہے یعنی دونوں اطراف کا برابر کر دینا، افراط و تفریط چھوڑ کر درمیان کی راہ اختیار کرنا اور حق دار کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ادا کروا دینا۔ یعنی ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب رکھنے کو عدل کہتے ہیں۔ توازن ہی کی نسبت سے قرآن حکیم نے نظام عدل کو میزان کہا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کائنات کا نظام بھی میزان پر قائم ہے اور آخرت کا نظام بھی میزان ہی پر قائم ہو گا۔ اس لئے بنی نوع انسان کو بھی اپنے معاشرے میں عدل قائم کرنا چاہئے جس معاشرے میں عدل و میزان نہ ہو گا اس میں کوئی شے بھی اپنی جگہ پر نہ رہے گی اور قرآن نے اس صورت حال کو فساد قرار دیا ہے۔

عدل وانصاف کے لئے قرآن حکیم میں دوسرا لفظ قسط آیا ہے۔ قسطاس ترازو کو کہتے ہیں جس کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔ عدل و قسط میں ایک لطیف فرق

یہ ہے کہ عدل کے معنی ہیں کسی کے حقوق توازن و تناسب کے ساتھ پورے پورے ادا کر دینا اور قرآن عدل و قسط قائم کرنے والوں کی توصیف کرتا ہے۔ (۷ : ۱۵۹ـ ۱۸۱)

عدل بمعنی دوسری شے کے برابر (۵ : ۹۵)

— صاحب عدل حضرات سے فیصلہ کرواؤ۔ (۵ : ۹۵)

— عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والے اور وہ جسے کوئی اختیار ہی نہیں کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ (۱۶ : ۷۶)

— اللہ تعالیٰ کے کتابوں میں نازل کردہ نظام عدل و انصاف کے بجائے طاغوت کی طرف فیصلے کے لئے رجوع کرنا غلط ہے۔ (۴ : ۶۰ـ ۶۱)

— اللہ اور رسول کے عادلانہ فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنے کا حکم اور ان بے لاگ فیصلوں پر دل میں شک و شبہ رکھنا ایمان ضائع کر دیتا ہے۔ (۴ : ۶۵) (۳۳ : ۳۶)

— ایک منصف اور جج کے لئے قرآن کی ہدایات (۴ : ۱۰۵ تا ۱۰۸)

(i) کتاب یعنی حق کے مطابق جو راہ راست اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھائی ہے عین اس کے مطابق فیصلہ کرو۔

(ii) جو فریق اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہا ہو اس کی حمایت نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کار اور معصیت پیشہ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

(iii) انسان کا نفس تنگ دلی کی طرف مائل کرتا ہے لیکن اگر تم عدل و انصاف اور خدا ترسی کا رویہ اپناؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے طرز عمل سے بے خبر نہ ہو گا۔

(iv) اہل ایمان کو عدل و انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بننے کا حکم اور انصاف و عدل کی راہ میں ذاتی اور رشتہ داری کے تعلقات کو الگ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فریقین امیر ہوں یا غریب ایک جیسا سلوک کرو اور خواہشات نفس کو عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دو۔ جو کچھ بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۴

(۱۳۵ :

— اجتماعی معاملات میں فیصلہ صاحب عدل حضرات سے کرواؤ۔ (۵ : ۹۵_۱۰۶)

— عزیز مصر کی بیوی کے ایک رشتہ دار کا عادلانہ فیصلہ۔ (۱۲ : ۲۵ تا ۲۹)

— حضرت داؤد کے پاس فریقین مقدمہ کا پیش ہونا تاکہ وہ ٹھیک عدل کے مطابق فیصلہ کر دیں، بے انصافی نہ کریں اور راہ راست بتا دیں۔ (۳۸ : ۲۲)

— قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم۔ کافر اور فاسق ہیں (۵ : ۴۵ _۴۷)

— حکام (عدالت) کی طرف سے عدل اسلامی ریاست کے شہریوں کا بنیادی حق ہے۔ (۱۶ : ۹۰) (۴ : ۵۸) (۶ : ۱۵۲) (۵ : ۸)۔

اب ہم عدالتوں اور منصف حضرات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مستند احادیث کی کتابوں میں سے ایک خاص ترتیب کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں رکھے گا (یعنی عرش کے سائے میں) جس دن اس کے سوا اور کسی چیز کا سایہ نہ ہو گا اور ان سات افراد میں سے اول ترین ذکر اس حاکم و قاضی کا ہے جو عدل و انصاف کرتا ہو"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ _ کتاب المحاربین اور کتاب الاذان _ بخاری + کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی) اس کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ سے کتاب الزہد، ترمذی اور کتاب الجامع ___ موطاء امام ما میں بھی روایت شدہ ہے۔

(ii) جب حاکم اجتہاد کر کے (یعنی حق بات دریافت کرنے کی کوشش کر کے) کوئی فیصلہ دے اور پھر وہ حکم ٹھیک بھی ہو تو اس حاکم و قاضی کو دو اجر ملیں گے اور اگر کوئی حاکم و قاضی براہ بشریت غلط ہو تو بھی اسے ایک اجر ملے گا اور وہ اجتہاد کا ہو گا۔

(روایت حضرت عمرو بن عاصؓ _ کتاب الاعتصام _ بخاری + کتاب الاحکام۔

ابن ماجہ + کتاب الاقضیتہ۔ مسلم + کتاب القضاء۔ ابو داؤد + ابواب الاحکام ۔ ترمذی اس کے علاوہ یہ روایت کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت شدہ منقول ہے۔)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو لوگ عدل و انصاف کرتے ہیں وہ خدائے عزوجل کے پاس (روز قیامت) منبروں پر ہوں گے پروردگار کی داہنی طرف اور یہ انصاف کرنے والے وہ لوگ ہیں جو انصاف وعدل کا حکم کرتے ہیں اپنے بال بچوں اور عزیزوں میں اور جو کام بھی انہیں دیا جائے اس میں انصاف کرتے ہیں (یعنی عدل و انصاف کچھ اسی بات پر منحصر نہیں کہ آدمی کہیں کا حاکم یا قاضی ہی ہو بلکہ اپنے بچوں بیوی اور کنبے والوں میں انصاف کرنا چاہئے اور ہر ایک کے حقوق موافق شریعت ادا کرنے چاہیں)"

(روایت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ۔ کتاب الامارت ۔ مسلم + کتاب آداب القضاء۔ نسائی اور کتاب الامارت و القضاء۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(iv) تورات کتاب اللہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو حاکم سچا فیصلہ کرتا ہے اس کے دائیں اور بائیں ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے جو دونوں اسے مضبوط کرتے ہیں اور سیدھی راہ بتلاتے ہیں جب تک وہ حاکم حق پر جما رہتا ہے لیکن جب عدل و حق کی راہ چھوڑ دیتا ہے تو فرشتے اسے چھوڑ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔

(کتاب الاقضیہ۔ باب ترغیب فی القضا بالحق۔ موطاء امام مالکؒ)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرتا ہے اور عدل کا دامن چھوڑتا ہے تو اللہ کی مدد الگ ہو گئی اور شیطان اسکے ساتھ ہو گیا"

(روایت ابن ابی اوفیؓ ۔ ابواب الاحکام ۔ ترمذی اور کتاب الاحکام ابن ماجہ)

(vi) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمات میں رشوت لینے والے اور دینے والے پر

لعنت کی ہے
(روایت حضرت ابوہریرہؓ ۔ ابواب الاحکام ۔ ترمذی)
(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۔ کتاب القضاء ۔ سنن ابوداؤد)

(vii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
"ظلم کرنے والے اور رشوت کھانے والے کو قیامت کے دن فرشتے اسکی گردن تھامے ہوئے اللہ کے حضور پیش کریں گے جو انہیں ایسی خندق میں گرانے کا حکم دے گا جس میں وہ چالیس سال تک گرتا ہی چلے جائے گا"
(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۔ کتاب الاحکام ۔ ابن ماجہ)[۱۶]

(viii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر"
(روایت عبداللہ بن عمرؓ ۔ کتاب الاحکام ۔ ابن ماجہ) رشوت لینے والا تو ظاہر ہے کہ لعنت کا مستحق ہے کہ ایسے فریق کی رعایت کرے گا جس سے رشوت کھائے گا اور رشوت دینے والا اس واسطے کہ وہ رشوت دے کر ظلم اور ناحق کا فیصلہ کروائے گا۔

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"جس شخص نے اللہ کی حدود میں سفارش کی تو اسنے اللہ تعالیٰ سے ضد کی اور جس نے حق کو جانتے بوجھتے باطل کے لئے جھگڑا کیا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غصے میں رہے گا یہاں تک کہ اس جھگڑے کو چھوڑ دے اور توبہ کرلے اور جس نے مومن کے حق میں وہ بات کہی جو اس میں نہ تھی وہ جہنمیوں کی میل کچیل اور کیچڑ میں رہے گا یہاں تک کہ توبہ کرے"
(روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ۔ کتاب القضاء ۔ سنن ابوداؤد)

(x) قرآن حکیم میں سحت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے کہ حاکم فیصلہ کرنے میں رشوت لے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی

سحت کی یہ ہی تفسیر منقول ہے (باب الاجارت۔ بخاری)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حکام کو کچھ بھیجنا ہدیہ (تحفہ) تھا لیکن آج کل تو رشوت ہے (کتاب الہبہ) ابن سعد اور ابو نعیم نے حلیہ میں وصل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو لوگ اللہ کے واسطے محبت رکھتے اور بلا کسی دنیوی غرض کے محبت ایمانی کی وجہ سے ہدایہ اور تحائف بھیجا کرتے تھے اب تو بغیر غرض و مطلب کے کوئی کسی کو تحفہ نہیں بھیجتا خصوصاً حکومت والوں کو تو اسی غرض سے بھیجتے ہیں کہ انکی رعایت کریں اور انصاف چھوڑ دیں۔ اس قسم کے تحفے صریحاً رشوت ہیں اور اس کا لینا دنیا عین ناجائز ہے۔ اس ہی طرح حاکم کے لئے کسی خصوصی دعوت میں جانا درست نہیں ہے کسی عمومی دعوت میں جاسکتا ہے۔

(xi) موطا امام ما ؒ میں حضرت صفوان بن امیہؓ سے رسول اکرم صلعم کا ایک فیصلہ اور حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے حضرت زبیرؓ بن عوام کا ایک فیصلہ روایت ہے کہ چور (مجرم) جب حاکم و قاضی تک پہنچ جائے تو سفارش نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت سفارش کرنے والے پر اور سفارش ماننے والے پر

(xii) "حاکم و قاضی دو افراد کے درمیان غصہ کی حالت میں ہر گز فیصلہ نہ کرے"

(ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروایت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ کتاب الاقضیہ۔ مسلم + ابواب الاحکام۔ ترمذی + کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی + کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ + کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(xiii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"قاضی تین طرح کے ہیں ایک جنتی ہے اور دو دوزخی ہیں۔ ایک وہ قاضی ہے جس نے حق کو جانا اور حق کے مطابق ہی فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ دوسرا وہ قاضی جس نے فیصلہ کیا جاہل رہ کر وہ دوزخی ہے۔ تیسرا وہ قاضی ہے جس نے حق کو

جانتے بوجھتے اور علم رکھتے ہوئے ظلم کا فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے۔ "

(کتاب القضاۃ۔ سنن ابو داؤد اور ابو ہاشم نے روایت کیا بریدہ سے کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ میں)

(xiv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص مسلمانوں کا قاضی بننا چاہے یہاں تک کہ قاضی ہو جائے پھر اس کے ظلم پر اس کا عدل غالب آ جائے اس کے لئے بہشت ہے اور اگر اس کے عدل پر اس کا ظلم غالب آ جائے تو اس کے لئے آگ (جہنم) ہے۔ "

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(xv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم و قاضی کے روبرو بیٹھیں"

(روایت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(xv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"عادل قاضی قیامت کے دن آئے گا (اور مواخذہ اور جواب دہی کے حالات دیکھ کر) کہے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش میں دو افراد کے درمیان ایک کھجور کا فیصلہ بھی نہ کرتا"

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ کتاب الامارت و القضاء۔ مشکوٰۃ المصابیح)

اب ہم حکام اور قاضی حضرات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ کرامؓ کی چند ہدایات نقل کرتے ہیں:۔

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"انسان کے بدن کے ہر جوڑ پر ہر دن میں جب سورج نکلتا ہے صدقہ و خیرات لازم ہے اور لوگوں میں عدل و انصاف کرنا بھی ایک صدقہ و خیرات ہے۔ "

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الصلح۔ بخاری اور کتاب الزکوٰۃ۔ مسلم)

(ii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جس نے طلب کر کے عہدہ قضا حاصل کیا وہ اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے (یعنی اللہ کی طرف سے مدد نہیں ہوتی) اور جو جبراً قاضی بنایا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ اترتا ہے جو اس کو راہ راست بتاتا ہے۔"

(روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ + ابواب الاحکام۔ ترمذی + روایات حضرت اسید بن حضیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔ کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی + کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(iii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو عہدہ دار ہوا قضا کا یا مقرر کیا گیا قاضی لوگوں کا وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کیا گیا"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ ابواب الاحکام۔ ترمذی + ابواب الاحکام۔ ابن ماجہ اور کتاب القضاۃ۔ سنن ابو داؤد)

(iv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو فرمایا کہ جب دو افراد تیرے پاس انصاف و عدل کے لئے آئیں تو حکم نہ کر پہلے بولنے والے کے لئے جب تک تو دوسرے فرد کو بھی نہ سن لے پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کیا فیصلہ کرنا چاہیے (حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد ہمیشہ اس ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتا رہا) روایت حضرت علی ابی طالبؓ۔ ابواب الاحکام۔ ترمذی

(v) ایک اور روایت میں حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے یمن کا قاضی بناتے ہیں اور میرا حال یہ ہے کہ میں کم عمر نوجوان ہوں اور قضا کا مجھے علم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تیرے دل کو اللہ تعالیٰ راہ دکھائے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔ جب دو افراد تیرے پاس مقدمہ لے کر آئیں تو جب تک دونوں فریقین

کا بیان نہ سن لے فریق اول کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرنا (جب دونوں فریقین کا بیان سنے گا) تو تیرے پر مقدمہ کی حقیقت پوری طرح کھل جائے گی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں (اس ہدایت پر عمل کر کے) مجھے کبھی کسی فیصلے میں شک و شبہ نہیں ہوا۔

(روایت حضرت علی مرتضیٰؓ۔ باب کیف القضاء کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"حدود کو ٹالو اور دفع کرو مسلمانوں سے جہاں تک ہو سکے (اور عدل و انصاف اجازت دیں) پھر اگر ہو سکے اور مجرم کی رہائی کی کوئی شکل ہو تو ضرور اختیار کرو اس لئے کہ قاضی و امام اگر خطا کار کو غلطی سے بخش دے تو یہ بہتر ہے کہ اس سے کہ کوئی بے قصور سزا پا جائے"۔

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ابواب الحدود۔ ترمذی)۔

یہ حدیث نہایت اہم ہے اس پر بار بار غور کریں کہ عہدہ قضاء کتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ کہیں کوئی بے قصور اور بے گناہ قاضی کی قلم کا نشانہ نہ بن جائے۔ کاش کہ عدالتوں کے سربراہ اس ذمہ داری کو محسوس کریں لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ قصور واروں کو بے گناہ قرار دے دے کر رہا کر دیا جائے۔ اس سے تو اسلامی معاشرے میں ہر طرف فساد پھیل جائے گا۔ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں یوں بیان کیا ہے۔

(vi) "حد کا جاری ہونا (ملزم پر الزام کے ثابت ہونے کے بعد) ایک زمین اور ملک والوں کے لئے بہتر ہے کہ ان پر تیس دن (ایک اور روایت میں چالیس دن ہے) تک بارش برسے"۔

(ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کتاب السرقہ۔ نسائی + کتاب الحدود۔ ابن ماجہ اور کتاب الحدود۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ اس واسطے کہ جب حد جاری ہو گی تو قانون کی حکمرانی ہو گی، امن و امان ہو گا، بدمعاش اور مفسد

ڈریں گے، خلق خدا کو راحت ہو گی، گناہ کم ہوں گے، پھر بارش رحمت بھی خدائے رحیم و کریم ضرور برسائے گا۔

(vii) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان جلیل القدر صحابہ میں سے تھے جن کی قرآنی فہم و فراست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا اعتماد تھا، وہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ ہم کوئی حکم نہ کرتے تھے نہ حکم کرنے کے لائق تھے پھر اللہ جل جلالہ نے ہماری قسمت میں لکھا کہ ہم حکم کرنے کے مرتبہ پر اٹھائے گئے ہیں اب آج کے بعد تم میں سے کسی شخص کو فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کتاب اللہ کے موافق حکم کرے اگر وہ حکم قرآن میں نہ ملے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حکم کرے اور اگر وہ حکم کتاب اللہ اور اللہ کے پیغمبر کے احکام میں نہ ملے تو نیک بخت لوگوں (خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ) کے فیصلوں کے مطابق حکم دے اگر کوئی حکم کتاب اللہ میں ملے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں ملے اور نہ ہی نیک بخت لوگوں کے فیصلوں میں ملے تو اپنی عقل (سلیم) سے کام لے اور یہ ہرگز نہ کہے میں حکم کرتے ہوئے ڈرتا ہوں اس لئے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

(روایت حضرت عبداللہ بن زیدؓ۔ کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی)

(viii) قاضی شریح نے حضرت عمر بن خطابؓ امیر المومنین سے استفسار کیا کہ میں کیونکر فیصلہ کروں تو حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ فیصلہ کر اللہ کی کتاب کے موافق اگر اللہ کی کتاب میں نہ پائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اگر اس میں بھی نہ پائے تو نیکوں (صحابہ کرامؓ) کے حکم کے موافق پھر اگر کہیں نہ پائے تو جی چاہئے آگے بڑھ اور جی چاہے تو پیچھے ہٹ اور میں سمجھتا ہوں کہ تیرے لئے پیچھے ہٹنا بہتر ہے۔

(کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی اور سنن دارمی)

(ix) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"حاکم ایک ہی مقدمے کے فیصلے میں دو الگ الگ معاملات اور مقدمات کا حکم ہر گز نہ کرے بلکہ الگ الگ حکم دے"

(روایت حضرت ابو بکرہ ؓ۔ کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی)

(x) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو مسعود انصاری ؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ دو افراد جھگڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے فیصلہ کرنے کی درخواست کی، مجلس میں سے ایک شخص نے کہا میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ابو مسعود انصاری ؓ نے ایک مٹھی بھر کر کنکریاں اس کو اٹھا کر ماریں کہ وہ فیصلہ اور قضا میں جلد بازی کو ہر گز پسند نہ کرتے تھے (کیونکہ جلدی اور اضطراب میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے)

(کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد)

اب اس موقع پر اب ہم کچھ عدالتی فیصلے نقل کریں گے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض اکابر صحابہ کرام ؓ نے کئے جن میں قضا کے لئے حکمت کا پہلو نہایت خوبی سے واضح ہوتا ہے۔ یہ فیصلے ہمارے عدالتی عہدہ داروں کے لئے مشعل راہ ہیں:۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام ؓ پر دو جلیل القدر انبیاء کرام حضرت داؤد ؑ اور حضرت سلیمان ؑ کا ایک ہی مقدمہ میں الگ الگ نوع کا فیصلہ بیان کر کے حکمت قضا کو نہایت خوبی سے واضح کیا۔

واقع یوں ہے کہ بنی اسرائیل کی دو عورتیں تھیں دونوں کے ساتھ ایک ایک نوزائیدہ بچہ تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ دونوں عورتیں ایک دوسرے کو کہنے لگیں کہ تیرا بچہ لے گیا۔ آخر کار مقدمہ حضرت داؤد ؑ کی عدالت میں پیش ہوا انہوں نے بڑی عورت کو بچہ دلوا دیا کہ اس کے قبضے میں تھا اور چھوٹی عورت کوئی گواہ نہ لا سکی۔ پھر دونوں عورتیں حضرت سلیمان ؑ کے پاس گئیں اور ان کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا ایک چھری لاؤ میں بچہ آدھا آدھا تم دونوں کو دیئے دیتا ہوں۔ بڑی عورت تو خاموش رہی لیکن چھوٹی تڑپ گئی کہ بچہ بڑی کے پاس ہی رہنے دو اس کے ٹکڑے نہ کرو۔

حضرت سلیمانؑ نے بچہ چھوٹی عورت کو دلوا دیا کہ وہ جان گئے کہ اصل ماں وہی ہے اور دوسری جھوٹ بولتی ہے۔

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ کتاب بدء الخلق۔ بخاری اور کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی جس میں ابو عبدالرحمن نسائیؒ نے اس حدیث سے یہ حکم نکالا ہے کہ قاضی اپنے سے برابر والے یا اپنے سے بڑے درجے والے قاضی کا حکم توڑ سکتا ہے اور اس کے علاوہ یہ ہی روایت باب بدء الخلق و ذکر انبیاء۔ مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مروی ہے۔)

(ii) بنی فرازہ کے ایک بدو اعرابی نے محض اس لئے اپنے نومولود بچے کی ولدیت سے انکار کر دیا کہ اس بچے کا رنگ کالا تھا (جب کہ اس اعرابی اور اس کی بیوی کا رنگ گورا تھا) رسول اللہ صلعم نے اس خیالی ثبوت کو ناقابل قبول قرار دیا اور اس اعرابی بدو سے سوال کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا کہ سرخ لال اونٹ ہیں آپؐ نے کہا کہ خاکی بھی ہے اور کوئی سیاہی مائل بھی ہے اس نے کہا ہاں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خاکی اور کالا کہاں سے آگیا۔ اعرابی بولا کسی رگ نے گھسیٹ لیا ہوگا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تیرے بچے کے معاملے میں بھی کسی رگ نے گھسیٹ لیا ہوگا (اور اعرابی بدو مطمئن ہوگیا۔) (i)

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب العتق۔ مسلم)

(iii) یعلیٰ بن منبہؓ (یا یعلیٰ بن امیہؓ) ایک شخص سے لڑ پڑے پھر ایک نے دوسرے کا ہاتھ دانت میں دبایا اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کے دانت ٹوٹ گئے دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ اس طرح کاٹتے ہو جس طرح اونٹ کاٹتا ہے۔ آپؐ نے مطالبہ دیت لغو قرار دیا اور کہا اگر تم چاہتے تھے کہ اس کا گوشت چبا ڈالتے اچھا تم اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈالو چاہے تو وہ چبا ڈالے اور چاہے تمہارے ہاتھ کھینچنے پر اس کا دانت ٹوٹ جائے۔

(روایت حضرت عمران بن حصینؓ۔ کتاب القسامت والمحاربین والقصاص والدیات۔ مسلم + کتاب القصاص۔ نسائی میں یہ ہی روایت حضرت صفوان بن یعلیٰؓ، حضرت

یعلیٰ بن امیہ رضؓ اور حضرت سلمہ رضؓ نے روایت کی ہے ان کے علاوہ سنن دارمی میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے) یعنی اگر کوئی کسی دوسرے کی جان یا عضو پر حملہ کرے اور وہ اس کو دفع کرے اور دفع کرنے میں حملہ کرنے والے کی جان یا عضو کو نقصان پہنچے تو کچھ تاوان اور سزا نہ ملے گی (یعنی حفاظت خود اختیاری میں پہنچائی گئی ضرب جرم نہیں ہے)

(iv) حاکم کو چاہئے کہ دونوں فریقوں میں صلح کروا دے جس کا عملی نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں پیش کیا ہے۔

ایک شخص نے دوسرے شخص سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا پھر جس نے زمین خریدی اس نے اس میں سونے کا ایک ذخیرہ پایا وہ فروخت کرنے والے سے کہنے لگا سونا تو واپس لے لے میں نے زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔ بیچنے والا کہنے لگا میں نے تیرے ہاتھ زمین فروخت کر دی اس میں ہر طرح کا مال اب تیرا ہے (سبحان اللہ بائع اور مشتری کس قدر ایمان دار تھے) پھر دونوں نے ایک عقل مند شخص سے فیصلہ چاہا وہ بولا تم دونوں کی اولاد ہے ایک نے کہا میرا لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے فیصلہ کرنے والا بولا تم دونوں اپنے لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرا دو اور یہ سونا دونوں پر خرچ کرو اور خدا تعالیٰ کی راہ میں بھی دو (غرض صلح کروا دی اور یہ ہی مستحب ہے تاکہ دونوں خوش رہیں) (کتاب القضیۃ - مسلم)

(v) یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے روایت ہے کہ اس کے غلاموں نے کسی مسلم کا ایک اونٹ چرا کر کاٹ ڈالا (اور خود اور اپنے بچوں کو کھلایا) جب یہ مقدمہ حضرت عمر بن خطاب رضؓ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے کثیر بن الصلت کو کہا ان غلاموں کا ہاتھ کاٹ ڈالو لیکن پھر حاطب سے کہنے لگے کہ میں سمجھتا ہوں تو نے ان غلاموں کو بھوکا رکھا (اس وجہ سے یہ مجبور ہوئے اور چوری پر آمادہ ہوئے اور پرایا مال ناحق چکھ گئے چونکہ ایسی اضطرار کی حالت میں حرام حلال ہو جاتا ہے اس لئے ان غلاموں کی سزا موقوف کر دی) اب میں تمہیں ایسا تاوان ڈالوں گا جو تجھ پر بہت گراں

گزرے گا۔ آپ نے اونٹ کے ما مدعی سے پوچھا تمہارا اونٹ کتنے کا ہو گا وہ بولا ۴۰۰ درہم ملتے تھے میں نے نہیں بیچا۔ حضرت عمر فاروق رضی نے ۸۰۰ درہم حاطب سے دلوائے۔

(باب القضائی الضواری والحریسۃ۔ کتاب الرھن۔ موطا امام ما رح)

(vi) ایک نہایت اہم قانونی نقطہ کہ کوئی شخص گناہ والا اور مجرم و ملزم نہیں ہے جب تک ثابت نہ کیا جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہم قانونی نقطہ کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی کی روایت کردہ ایک حدیث میں یوں بیان کیا ہے:۔

"اگر میں بغیر گواہوں اور ثبوت کے کسی کو رجم کرنے والا ہوتا (یعنی سزا دینے والا ہوتا) تو فلانی عورت کو ضرور رجم کرواتا کہ اس کی بات چیت، شکل و صورت سے فحش ظاہر ہوتا ہے اور اس کے پاس آنے جانے والوں کی شہرت بھی مشکوک ہے۔"

(کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

(vii) ایک اور قانونی نقطہ کہ مجبوراً غیر قانونی کام میں ملوث کئے جانے والے پر سزا نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت وائل بن حجر رضی کی روایت کردہ ایک واقع اس طرح ہے کہ مدینہ میں ایک عورت سے زنا بالجبر کیا گیا (اور اسے ناجائز حمل ہو گیا) اس نے مجرم مرد کا نام لیا جس نے اقرار کیا۔ رسول اللہ صلعم نے مرد پر حد زنا جاری کی اور عورت سے کہا تو چلی جا کہ اللہ نے تجھے معاف کیا (کہ یہ کام تیری رضامندی سے نہیں کیا گیا)

(روایت حضرت وائل بن حجر رضی۔ کتاب الحدود۔ ابن ماجہ + کتاب الحدود۔ ابو داؤد)

(viii) رسول اللہ صلعم کے پاس جب بھی کوئی قصاص کا مقدمہ آتا تو رسول اللہ معافی کی سفارش کرتے (کیونکہ انتقام سے عفو و در گزر بہتر ہے)

(روایت حضرت ابو الدرداء رضی اور حضرت انس بن ما رضی۔ کتاب الدیات۔ ابن ماجہ اور سنن دارمی)

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"جس نے کسی کا علاج کیا اور اس سے پہلے وہ علم طب میں مشہور نہ تھا (یعنی نیم حکیم تھا) اور اس کے علاج سے نقصان ہو گیا تو وہ ضامن ہو گا اس نقصان کا (اگر جان جاتی رہی تو اس کی دیت دینی ہو گی اگر کوئی عضو جاتا رہا تو اس کی دیت دینی ہو گی)

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ کتاب الطب۔ ابن ماجہ اور کتاب الدیات۔ سنن ابو داؤد)

(x) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو اصحاب میراث کے مقدمہ میں جھگڑتے ہوئے آئے اور گواہ دونوں کے پاس نہ تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا گواہ تم دونوں نہیں رکھتے لیکن اگر اپنی چرب زبانی سے کسی ایک نے میرا فیصلہ ناحق اپنے حق میں کروالیا تو اس جائداد کے بجائے وہ دراصل دوزخ کا ایک ٹکڑا میرے سے لیتا ہے۔
یہ سن کر فریقین خوف زدہ ہو گئے، رونے لگے اور ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کو تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جب تم ایسا کرتے ہو تو مال آپس میں تقسیم کر لو اور حق کو ڈھونڈ کر اس پر عمل کرو اور قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ایک دوسرے کو معاف کر دو۔

(روایت ام المومنین ام سلمہ۔ کتاب القضاء۔ سنن ابو داؤد)

(xi) سنن ابو داؤد کے باب القضا میں ایک قصہ ہے کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی گواہی قبول کی حالانکہ وہ واقعہ کا عینی شاہد نہیں تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک اعرابی بدو سے ایک گھوڑے کا سودا کیا اور قیمت ادا کرنے کے لئے اسے ساتھ آنے کو کہا۔ وہ اعرابی کیونکہ گھوڑا کو ساتھ لاتا تھا اس لئے پیچھے رہ گیا۔ دوسرے خریداروں کو جنہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سودا کر چکے ہیں قیمت لگانی شروع کر دی اور کسی نے زیادہ قیمت بھی لگا دی۔ وہ اعرابی بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے لگا کہ میں فروخت کرنے

لگا ہوں تم نے لینا ہے یا نہیں لینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے کہا اب تو کس طرح فروخت کر سکتا ہے تو میرے ہاتھ فروخت کر چکا ہے۔ وہ اعرابی مکر گیا کہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت ہی نہیں کیا تم گواہ لاؤ۔ اس پر حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فروخت کر چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے اور حضرت خزیمہ ؓ سے کہنے لگے تم کیسے گواہی دے سکتے ہو؟ (جبکہ تم موقع پر موجود نہ تھے) حضرت خزیمہ ؓ نے کہا کہ میں اس لئے گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کو سچا جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی کو دو گواہیوں کا قائم مقام کیا۔

(روایت عمارہ بن خزیمہ۔ کتاب القضاء۔ سنن ابو داود)

حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ وہ جلیل القدر صحابی رسول ؐ تھے کہ جب خلافت ابو بکر صدیق ؓ میں حضرت عمر بن خطاب ؓ کی تجویز پر حضرت زید بن ثابت ؓ قرآن حکیم کو تحریری شکل میں جمع کر رہے تھے اور ہر آیت قرآن پر دو گواہیاں طلب کرتے تھے لیکن سورہ توبہ کی آخری آیات صرف حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ کے پاس ملیں، حضرت زید بن ثابت ؓ نے فوراً لے لیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ ؓ کی گواہی کو دو افراد کی گواہی کا قائم مقام کیا تھا۔ پھر حضرت خزیمہ ؓ کی زندگی تک یہ ہی طریقہ رہا کہ صحابہ کرام ؓ ان کی گواہی کو دو افراد کی گواہی کا قائم مقام کرتے تھے۔

(xii) رسول اکرم صلعم نے دو افراد کے خلاف فیصلہ کیا۔ ایک شخص جو مقدمہ ہار گیا وہ نہایت دل آزردہ ہو گیا تو رسول اللہ صلعم نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملامت کرتا ہے انسان کو اس کی بے وقوفی پر (یعنی انسان اپنے مقدمے میں بھرپور کوشش نہ کرے) انسان پر (اپنے مقدمے) میں بھرپور کوشش لازم ہے لیکن اگر مقدمہ (بعد از کوشش) ہار جائے تو کہے حسبی اللہ و نعم الوکیل (میرے لئے اللہ جل جلالہ ہی کافی ہے اور اللہ ہی بہتر کام بنانے والا ہے)

(روایت حضرت عوف بن مالک ؓ۔ کتاب القضاء۔ سنن ابو داود)

(xiii) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے پاس ایک دیوانی اور مجنون عورت لائی گئی جس کو زنا سے حمل ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور اس پر حد زنا جاری فرما دی۔ جب لوگ اسے حد لگانے لے جاتے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہ تشریف لے آئے۔ واقعہ سنا تو سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور کہنے لگے یا امیر المومنین! آپ کو معلوم نہیں کہ قلم اٹھا لیا گیا ہے تین افراد پر سے ایک دیوانے پر سے جب تک اس کی عقل نہ پلٹ آئے دوسرے سوتے سے جب تک وہ جاگ نہ جائے اور تیسرے نابالغ سے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے۔ تو پھر یہ دیوانی مجنون کیوں رجم کی جاتی ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ بدل ڈالا اور تکبیر (اللہ اکبر) پڑھنے لگے (کہ اللہ تعالیٰ نے ناانصافی سے بچا لیا)

(روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ کتاب الحدود۔ نسائی)

(xiv) بنی بکر اور بنی لیث میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور ایک عورت کے ساتھ زنا کا چار بار اقرار کیا۔ اور اس عورت کا نام بھی لیا۔ عورت کو بلوایا گیا تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو بھیجنے والے کی قسم یہ شخص مجھ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے پھر اس مرد کے پاس کوئی گواہ بھی نہ تھا۔ مرد کیونکہ کنوارا تھا اس لئے اس پر حد زنا جاری کی گئی اور عورت پر الزام کا کوئی گواہ نہ رکھتا تھا اس لئے اس پر حد قذف بھی لگائی گئی (یعنی دونوں سزائیں دی گئیں)

(روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کتاب الحدود سنن ابو داؤد)

اس سے ایک نہایت اہم قانونی نقطہ معلوم ہوا کہ جرم کے دو کرداروں میں سے ایک کردار کے اقرار پر دوسرے کردار کو سزا نہیں دی جا سکتی جب کہ وہ جرم کا اقرار نہ کرتا ہو اور الزام لگانے والے کے پاس کوئی ثبوت بھی نہ ہو۔

(xv) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی

اترنے پر بعض افراد سے مواخذہ ہوتا لیکن اب تو وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے اب ہم لوگوں کو ان کے ظاہری اعمال ہی پر پکڑیں گے جو ظاہر میں اچھا کام کرے گا ہم اس پر بھروسہ کریں گے اور اس کو اپنا ساتھی بنائیں گے اس کے دل اور باطن سے ہمیں غرض نہیں ہے اس کا حساب اللہ تعالیٰ ہی لے گا اور جو ہم میں سے ظاہر میں برا کام کرے گا ہم نہ اسے سچا جانیں گے نہ ہی اس پر بھروسہ کریں گے اگرچہ وہ دعویٰ کرتا پھرے کہ میرا باطن سچا ہے۔

(باب شھدا العدول۔ کتاب الشھادت۔ بخاری)

(xvi) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میرے والد نے میرے دوسرے بھائیوں کو چھوڑ کر میرے نام کچھ پیسہ کیا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کیا تیری اور اولاد بھی ہے اور کیا تم نے اسی طرح انہیں بھی دیا ہے؟ میرے باپ نے نفی میں جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ظلم کی بات پر ہرگز گواہ نہ بنوں گا۔

(کتاب الشھادت۔ بخاری + کتاب الھبات۔ ابن ماجہ + کتاب الایمان و النذر۔ سنن ابو داؤد + باب العطایا۔ مشکوٰۃ المصابیح)

قرآن حکیم اور ارشادات نبویؐ کے بیان کردہ احکامات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور ہمارے جلیل القدر ائمہ قضا اور عدالت کی ذمہ داریوں سے دور رہنا پسند کرتے تھے ہم اپنی درخشاں قابل تقلید و عمل تاریخ میں سے صرف تین واقعات بیان کرتے ہیں۔

(i) حضرت عثمان بن عفانؓ امیر المومنین نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا قاضی بن جاؤ اور لوگوں کے درمیان عدل کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اے امیر المومنین مجھے معاف کر دو اور مجھ پر رحم کرو اور مجھے قاضی نہ بناؤ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے کہا عجب بات ہے تمہارے والد عمرؓ تو قضا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص قاضی ہو اور عدل کے ساتھ موافق حکم خدا و رسول فیصلہ کرے تو گمان ہے کہ شاید وہ برابر برابر

چھوٹ جائے۔ (یعنی ثواب تو کجا شاید عذاب سے بچے) تو کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھ سے بھلائی کریں گے اور اس بھاری ذمہ داری سے مجھے معاف رکھیں گے۔

اس ہی واقعہ کی ایک اور روایت جو زرین نے نافع سے کی ہے یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میرے والد کو کوئی مشکل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکل ہوتی تو حضرت جبرائیل امینؑ سے پوچھ لیتے تھے اور میں کسی کو نہیں پاتا کہ اس سے پوچھ لوں اور اے امیرالمومنین میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو اللہ کے نام کی پناہ مانگے اس نے بے شک ایک بڑے نام کی پناہ مانگی اس لئے مجھے عہدہ قضا سے اللہ کے نام پر پناہ دے دو۔ حضرت عثمان غنیؓ نے کہا میں نے تمہیں عہدہ قضا سے معاف کیا لیکن تم میری اپنی گفتگو کی کسی کو خبر نہ کرنا کہ تم نے عہدہ قضا قبول نہیں کیا نہیں تو دوسرے لوگ بھی قبول نہ کریں گے اور یہ کارخانہ معطل ہو جائے گا۔

(روایت حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابواب الاحکام۔ ترمذی)

-(ii) امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اس باب میں کیا طرز عمل تھا اس کا بہترین بیان ہمیں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب "خلافت و ملوکیت میں ملا جو کچھ یوں ہے:۔

"عدلیہ کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی قطعی رائے یہ تھی کہ اسے انصاف کرنے کے لئے انتظامیہ کے دباؤ اور مداخلت سے نہ صرف آزاد ہونا چاہیے بلکہ قاضی کو اس قابل ہونا چاہیے کہ خود خلیفہ بھی اگر لوگوں کے حقوق پر دست درازی کرے تو وہ اس پر اپنا حکم نافذ کر سکے ـــــ بنی امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں حکومت کے مناصب اور خصوصاً قضا کا عہدہ قبول کرنے سے ان کے انکار کی بڑی وجہ یہ ہی تھی کہ وہ ان دونوں حکومتوں میں عہدہ قضا کی یہ حیثیت نہ پاتے تھے۔ (امام اعظمؒ نے اپنی زندگی کے اولین ۵۲ سال بنوامیہ کے عہد میں اور آخری ۱۸ سال بنی عباس کی حکومت میں گزارے) بلکہ انہیں اندیشہ تھا کہ انہیں آلہ ظلم بنایا جائے گا، ان سے غلط فیصلے کروائے جائیں گے اور ان کے فیصلوں میں نہ صرف خلیفہ بلکہ اس

کے قصر سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگ بھی مداخلت کریں گے۔

سب سے پہلے بنی امیہ کے عہد میں عراق کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے امام اعظم ؒ کو منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا۔ یہ ۱۳۰ ہجری کا زمانہ تھا جبکہ عراق میں اموی سلطنت کے خلاف فتنوں کے طوفان اٹھ رہے تھے جنہوں نے بعد میں دو سال کے اندر امویوں کی حکومت کا تخت الٹ دیا۔ اس موقع پر ابن ہبیرہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے فقہا کو ساتھ ملا کر ان کے اثرات سے فائدہ اٹھائے ــــــ پھر اس نے ابو حنیفہ ؒ کو بلا کر کہا میں آپ کے ہاتھ میں مہر دیتا ہوں، کوئی حکم نافذ نہ ہو گا جب تک آپ مہر نہ لگائیں گے اور کوئی مال خزانے سے نہ نکلے گا جب تک آپ اس کی توثیق نہ کریں گے۔ امام ؒ نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے انہیں قید کر دیا اور کوڑے لگوانے کی دھمکی دی۔ دوسرے فقہا نے امام کو سمجھایا کہ اپنے اوپر رحم کرو، ہم سب بھی اس خدمت سے ناخوش ہیں مگر مجبوراً قبول کی ہے، تم بھی مان لو۔ امام اعظم ؒ نے جواب دیا کہ "اگر وہ مجھ سے یہ چاہے کہ اس کے لئے واسط کی مسجد کے دروازے گنوں تب بھی میں قبول نہ کروں گا، کجا یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی آدمی کے ناحق قتل کا حکم لکھے اور میں اس فرمان پر مہر لگاؤں۔ خدا کی قسم میں اس ذمہ داری میں شریک نہ ہوں گا۔"

اس سلسلے میں ابن ہبیرہ نے ان کے سامنے اور خدمات پیش کیں اور وہ انکار کرتے رہے پھر اس نے انہیں قاضی کوفہ بنانے کا فیصلہ کیا اور اس پر قسم بھی کھائی کہ اگر ابو حنیفہ ؒ انکار کریں گے تو میں انہیں کوڑے لگواؤں گا۔ ابو حنیفہ ؒ نے بھی جواب میں قسم کھائی اور کہا "دنیا میں اس کے کوڑے کھا لینا میرے لئے آخرت کی سزا بھگتنے سے زیادہ سہل ہے، خدا کی قسم میں ہرگز قبول نہ کروں گا، خواہ وہ مجھے قتل ہی کر دے۔" آخر کار اس نے ان کے سر پر ۲۰ تا ۳۰ کوڑے لگوائے۔ بعض روایات یہ ہیں کہ دس گیارہ روز تک روزانہ دس کوڑے لگواتا رہا مگر امام ابو حنیفہ ؒ اپنے انکار پر قائم رہے آخر کار اسے اطلاع دی گئی کہ یہ شخص مر جائے گا۔ اس نے

کہا کہ کیا کوئی ناصح نہیں کہ اس شخص کو سمجھائے کہ مجھ سے مہلت ہی مانگ لے۔ امام ابو حنیفہ" تک ابن ہبیرہ کی یہ بات پہنچائی گئی تو انہوں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر لوں۔ ابن ہبیرہ نے یہ پیغام ملتے ہی انہیں چھوڑ دیا اور وہ کوفہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے جہاں سے بنو امیہ کی سلطنت ختم ہونے تک وہ پھر نہیں پلٹے۔

اس کے بعد عباسی عہد میں المنصور نے ان پر عہدہ قضا کے لئے اصرار کرنا شروع کیا ـــــ وہ انہیں مارنے کے بجائے سونے کی زنجیروں سے باندھ کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے ان کے سامنے بار بار قضا کا عہدہ اسی نیت سے پیش کیا، یہاں تک کہ انہیں تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کرنے کی پیش کش کی۔ مگر وہ ایک مدت تک طرح طرح کے حیلوں سے اس کو ٹالتے رہے۔ آخر کار جب وہ بہت ہی زیادہ مصر ہوا تو امام اعظمؒ نے اس کو صاف صاف اپنے انکار کے وجوہ بتائے۔ ایک دفعہ کی گفتگو میں انہوں نے بڑے نرم انداز میں معذرت کرتے ہوئے کہا "قضا کے لئے نہیں موزوں ہو سکتا مگر وہ شخص جو اتنی جان رکھتا ہو کہ آپ پر اور آپ کے شاہزادوں اور سپہ سالاروں پر قانون نافذ کر سکے۔ مجھ میں یہ جان نہیں ہے مجھے تو آپ بلاتے ہیں تو واپس نکل کر ہی میری جان میں جان آتی ہے۔" ایک اور موقع پر سخت گفتگو ہوئی جس میں انہوں نے خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"خدا کی قسم میں تو اگر رضامندی سے بھی یہ عہدہ قبول کروں تو بھی آپ کے بھروسے کے لائق نہیں ہوں، کجا کہ ناراضگی کے ساتھ قبول کروں۔ اگر کسی معاملہ میں میرا فیصلہ آپ کے خلاف ہوا اور پھر آپ نے مجھے دھمکی دی کہ یا تو تجھے فرات میں غرق کروں گا ورنہ اپنا فیصلہ بدل دے تو میں غرق ہو جانا قبول کروں گا مگر فیصلہ نہ بدلوں گا۔ پھر آپ کے بہت سے اہل دربار بھی ہیں انہیں تو کوئی ایسا قاضی چاہیے جو آپ کی خاطر ان کا بھی لحاظ کرے۔"

ان باتوں سے جب منصور کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اس سنہری پنجرے میں بند ہونے کے لئے تیار نہیں تو وہ عریاں انتقام پر اتر آیا۔ انہیں کوڑوں سے پٹوایا، جیل میں ڈال کر کھانے پینے کی سخت تکلیفیں دیں، پھر ایک مکان میں نظر بند کر دیا جہاں بقول بعض طبعی موت سے اور بقول بعض زہر سے ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ (صفحات ۲۵۷ تا ۲۶۱۔ خلافت و ملوکیت)

(iii) ہارون الرشید اور امام شافعیؒ کا واقعہ بھی تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔ ہارون الرشید نے امام شافعیؒ کو مکمل اختیارات اور اپنی آدھی دولت کے ساتھ قاضی القضا کا عہدہ پیش کیا تو امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اگر تم اس سب کے بدلے میں صبح شام عدالت کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا حکم بھی دو تو میں اس کے لئے بھی تیار نہیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ عدل و انصاف جیسے بلند منصب پر فائز ہو سکوں اور امام شافعیؒ نے اس پیش کش کو ہارون الرشید کی سخت ناراضگی مول لے کر بھی رد کر دیا۔

احکام کتاب اللہ، تشریحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر دین کے طرز عمل نے اسلامی معاشرے میں قضا کے علمبرداروں میں سے ایسے افراد پیش کئے ہیں جن کا طرز عمل بحیثیت قاضی تمام انسانیت کے لئے نمونہ ہے۔ ہم اسلامی تاریخ کے دو مختلف ادوار سے تین الگ الگ واقعات پیش کر کے اس اہم باب کو ختم کرتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ نے اپنی زرہ ایک عیسائی کے پاس پائی۔ اس عیسائی کو لے کر آپ قاضی کے پاس گئے اور رعایا کے ایک فرد کی طرح اپنا مقدمہ پیش کیا کہ یہ زرہ میری ہے اور میں نے نہ اسے فروخت کیا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا ہے۔ قاضی شریح نے عیسائی سے دریافت کیا کہ امیرالمومنین جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی بابت تمہیں کیا کہنا ہے۔ اس عیسائی نے کہا "زرہ تو یقیناً میری ہے لیکن امیرالمومنین بھی میرے نزدیک جھوٹے آدمی نہیں ہیں"۔ قاضی شریح نے حضرت

علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے امیرالمومنین کوئی ثبوت ہے کہ زرہ آپ کی ہے" حضرت علیؓ ہنس دیئے اور فرمایا "شریح نے ٹھیک کہا ہے ثبوت تو میرے پاس ہے نہیں" چنانچہ قاضی شریح نے فیصلہ دیا کہ زرہ عیسائی کو دے دی جائے اور وہ اسے لے کر جانے لگا اور حضرت علیؓ امیرالمومنین دیکھتے رہ گئے۔ چند قدم جا کر وہ عیسائی واپس آیا اور کہنے لگا "میں تو اب یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے احکام ہیں۔ امیرالمومنین مجھے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی ان کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ اور میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ جنگ صفین کے بعد آپ کے اونٹ سے گر کر میرے قابو آگئی تھی" حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا "اب جب کہ تم ایمان لا چکے ہو تو یہ اب تمہاری ہو گئی"

یہ نہ سوچئے کہ یہ تو خلافت راشدہ کا زمانہ ہے۔ ایسے ہی واقعات بعد میں بھی اسلامی تاریخ میں بار بار پیش آتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ایک شخص عباسی بادشاہ ہادی کے خلاف ایک باغ کے جھگڑے کا مقدمہ لے کر آتا ہے ابو یوسفؒ یہ ہی رائے قائم کرتے ہیں کہ حق مدعی کے ساتھ ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ گواہ بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے کہا "مدعی کا مطالبہ ہے کہ ہادی قسم کھائیں کہ ان کے گواہ سچے ہیں"۔ ہادی نے قسم کھانا اپنی توہین جانا اور انکار کیا۔ حضرت امام یوسفؒ نے مقدمے کا فیصلہ مدعی کے حق میں کر دیا۔

اسی طرح ایک اور مقدمہ میں انہوں نے ہارون الرشید سے حلف اٹھوایا۔ فضل ابن ربیع ہارون الرشید کے گواہ بن کر آئے تو آپ نے یہ گواہی رد کر دی۔ ہارون الرشید نے بگڑ کر پوچھا کہ فضل کی گواہی کیوں رد کر دی؟ تو اما ابو یوسفؒ نے کہا "میں نے اسے آپ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں اگر وہ سچا ہے تو غلام کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور اگر جھوٹا ہے تو بھی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی"

یہ شمع جو اسلام نے ضمیر انسانی میں جلائی تھی تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں بھی نہ بجھ سکی اور اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں اس آزادی ضمیر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

جو شخص ضد بازی یا رقم کی لالچ میں آکر احکام اور فیصلہ بدلتا ہے وہ اپنا پیٹ جہنم کی آگ سے بھر رہا ہے اور اس کے بارے میں قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ان سے ہر گز بات نہ کرے گا، اور نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا، اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لے لیا۔ کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔" (البقرہ ۲: ۱۷۴ تا ۱۷۶)

حاکم و قاضی اور عدلیہ سے متعلق چند ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر و بیان برمحل ہوگا۔

(1) موطا امام مالکؒ میں حضرت صفوان بن امیہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ اور حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے حضرت زبیرؓ بن عوام کا ایک فیصلہ روایت ہے کہ چور جب قاضی و حاکم تک پہنچ جائے تو سفارش نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے سفارش کرنے والے پر اور سفارش ماننے والے پر۔

باب ترک الشفاعۃ السارق کتاب السرقہ موطا امام مالکؒ۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت کردہ ایک حدیث میں بھی یہ ہی

اصول قانون نہایت واضح ہے کہ مدعی کو معاف کرنے کا اختیار مقدمہ کو حاکم کے پاس لے جانے تک ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حدوں کو میرے پاس آنے سے پہلے معاف کرنا ہے میرے پاس حدود کا جو مقدمہ آگیا اس میں حد لازم ہو گئی"

(کتاب السرقہ۔ نسائی)

(ii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس شخص کو ہم عامل مقرر کریں تو وہ محاصل میں سے ایک سوئی کے برابر کچھ چھپائے یا اس سے بھی کم تو یہ چوری میں داخل ہے اور روز قیامت وہ چرائی ہوئی چیز کے ساتھ حاضر ہو گا" پھر ایک صحابیؓ کے استفسار پر فرمایا "ہم کسی کو کسی کام بھیجا تو تھوڑا یا زیادہ جو کچھ اسے ملے وہ حاضر کرے"

(روایت عدی بن عمیرہ کندی۔ باب فی ھدایا العمال۔ کتاب القضاء سنن ابو داؤد)

اس طرح قرآن حکیم اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عدالتوں کے لئے احکام پر مبنی باب ختم ہوتا ہے۔ منصف اور عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے حضرات اور عدالتوں میں حصول انصاف میں مددگار وکلاء حضرات خود دیکھ لیں کہ وہ اس معیار پر کس حد تک پورے اترتے ہیں۔ ان کا درست رویہ انہیں روز قیامت سایہ رحمان دلا سکتا ہے اور غلط رویہ ان کے تمام اعمال غارت کر سکتا ہے۔ ہدایات واضح ہیں عمل تو ہم نے خود ہی کرنا ہے کیونکہ ہاتھ پکڑ کر زبردستی عامل بنا ڈالنا حکمت و مشیت خداوندی کے خلاف ہے۔

باب نمبر۹

حضرت عمر فاروقؓ کا نظام قضاۃ و عدالت

خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ وہ ہستی ہیں جن کی شخصی عظمت اور ان کے دور خلافت کی عظمت کو اسلامی مورخین کے ساتھ ساتھ مغربی مورخین نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ راویوں نے حضرت عمر فاروقؓ کا یہ معنی آفرین قول نقل کیا ہے کہ انہیں ابو بکر صدیقؓ کے فوراً بعد آنے نے بہت تھکا دیا ہے۔ (یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قائم کردہ معیاروں کو اپنانا اور قائم رکھنا) لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے قائم کردہ معیار، ان کی سیاسی حکمت عملیاں، ان کا عدل و انصاف، ان کا نظریہ مساوات، ان کی معاملات کی سربراہی، انجام دہی اور تنظیم خلافت کا ایک نہایت عالی درجہ اور مشکل الحصول معیار وہ شواہد ہیں کہ رہتی دنیا تک انسانی نسلیں ان کی شکر گزار رہیں گی۔ ہم موضوع کتاب کے حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ کے قائم کردہ نظام قضاۃ و عدالت پر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب "الفاروق" کا ایک باب صفحہ ۳۳۱ تا ۳۴۲ جس میں انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں محکمہ قضاء کی تفصیلات اور ان کا موازنہ یورپی رومن ایمپائر کے محکمہ قضاء سے بھی کیا ہے۔ یہ شعبہ بھی اسلام میں حضرت عمر فاروقؓ ہی کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں بعد یہ دونوں صیغے الگ کیے جا سکے، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت میں چند ہی دنوں

کے اندر اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک وہ خود ہی خلیفہ وقت اور افسر قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ابتداء میں یہ ہی رواج رکھا اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔ حکومت کا نظم ونسق جب تک کامل نہیں ہو جاتا ہر صیغے کا اجراء رعب وداب کا محتاج ہوتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار بھی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص باثر اور صاحب عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے بالکل اسی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصل قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و قوانین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ کو بھیجا اور اس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ اسے بھی بعینہ نقل کیا جاتا ہے اور دوسری طرف رومن ایمپائر کے دوازدہ (بارہ) قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہیں اور جن کے متعلق سیلسر وروم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں وہ بھی سامنے ہیں ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

رومن ایمپائر کے قانون قضا کے اصول و ضوابط

۴۵۱ قبل مسیح رومن ایمپائر نے یونان میں سفراء بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفراء یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ تھے اور مدت تک رومن ایمپائر کا وہی قانون رہا ان میں صیغہ قضا کے متعلق احکام حسب ذیل تھے:

(۱) تم کو عدالت میں طلب کیا جائے تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اسے پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیمار ہو یا بوڑھا ہو تو اس کی سواری کا بندوبست کرو ورنہ اس کی حاضری پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو اسے چھوڑ دو۔

(۶) دولت مند کا ضامن دولت مند ہونا چاہیے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضامن دینا چاہیے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں جن کو یاد کر کر کے یورپ رومن ایمپائر پر ناز کرتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ کی تحریر

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان بنام حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ حسب ذیل ہے: "خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور امیر کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلے میں شبہ ہو اور

قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولد اور وراثت میں مشکوک ہوں۔"

اس فرمان فاروق ؓ میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۴) فریقین ہر حال میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے بعد فیصلے میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا۔

(۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں ہے۔

صیغہ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل و انصاف چار باتوں پر موقوف ہے۔

(i) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(ii) قابل حکام کا انتخاب۔

(iii) وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے

فصل خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔

(iv) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا تاکہ مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی تو ضرورت نہ تھی کہ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے اس ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج ان کو مرتب کیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قوانین بن سکتا ہے مگر ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفاء سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاویٰ مذکور ہیں۔

حضرت عمر فاروق ؓ کا قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ دار الخلافہ مدینہ منورہ کے قاضی حضرت زید ؓ بن ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے وہ سریانی اور عبرانی زبانوں کے ماہر تھے اور علوم فقیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ حضرت کعب ؓ بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی حضرت عبادہ ؓ بن الصامت تھے جو منجملہ

ان پانچ اشخاص کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل صفہ کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ ؓ نے ان کی مخالفت کی تو حضرت عمر فاروق ؓ نے انہیں حضرت امیر معاویہ ؓ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ کوفہ کے قاضی حضرت عبداللہ ؓ بن مسعود تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں ہے وہ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ وہ صحابی تھے جن کے فہم قرآن پر حضرت عمر فاروق ؓ کو بڑا اعتماد تھا۔ حضرت عبداللہ ؓ بن مسود کے بعد ۱۹ ھجری میں قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ کرام میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے علاوہ جمیل بن معمرالحمجی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعتہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعتہ، ابو قرۃ الکندی، عمران بن الحصین وغیرہ حضرت عمر فاروق ؓ کے مقرر کردہ قضاۃ ہیں جن کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار ہوتا تھا تاہم حضرت عمر فاروق ؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کو شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر فاروق ؓ اس پر کبھی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو مقرر کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا واقع یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے اسے واپس کرنا چاہا گھوڑے کے مالک نے انکار کیا اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا حق یہ ہی ہے اور کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ابن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔

قضاۃ کی ناجائز آمدنی کو روکنے کے لئے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے متعدد اقدامات فرمائے، مثلاً:

(۱) تنخواہیں بیش قرار (بہت زیادہ) مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی اور یہ مقدار اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔ (۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس حکم کی یہ وجہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارات اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ مغربی ممالک میں اختیار کیا گیا۔

انصاف میں مساوات

کتاب القصاص۔ نسائی میں ابو فراس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ اپنی ذات سے بھی بدلہ دلاتے تھے"

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب اور شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس شرط کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ میں کچھ نزاع تھی۔ ابی بن کعب نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی

حیثیت سے حاضر ہوئے حضرت زید بن ثابت ؓ نے تعظیم دی تو حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی بن کعب ؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی بن کعب ؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر فاروق ؓ کو دعوی سے انکار تھا۔ ابی بن کعب ؓ نے قاعدے کے مطابق حضرت عمر فاروق ؓ سے قسم لینا چاہی لیکن حضرت زید بن ثابت ؓ نے عمر فاروق ؓ کے رتبے کا لحاظ کر کے ابی بن کعب ؓ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر فاروق ؓ اس طرف داری سے بہت رنجیدہ ہوئے اور حضرت زید بن ثابت ؓ سے مخاطب ہو کر کہا "جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے"

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر فاروق ؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا اور کیونکہ غیر مذاہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصلہ کر لیا کریں اس لیے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اس لیے ہر ضلع میں ایک ہی قاضی کا ہونا کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضا اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر فاروق ؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے روشن کارناموں میں سے ہے وہ کسی معاملے

میں ماہرین فن کی شہادت ہے یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر فاروقؓ کے پاس مقدمہ دائر کیا کیونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو جو خود بہت بڑے شاعر تھے بلا کو پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لئے۔ چنانچہ کنزالمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑے ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزانی اور سستا ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے اور داد خواہوں سے باز آنا اس کی نسبت زیادہ آسان ہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے اصول اور آئین اس قدر آسان اور سہل تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان

یہ نہایت مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور متبذل شخص فریق مقدمہ بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

باب ۱۰

معاشرے میں ظلم و فساد عدل کی ضدین ہیں

ظلم کیا ہے؟

ظلم عدل کا الٹ وصف ہے اور اس کی جامع تعریف میں بے انصافی، دھاندلی، استیصال واستبداد سب آجاتے ہیں۔ کسی کے حقوق میں کمی کرنا، کسی کا واجب نہ ادا کرنا، کسی کا حق نہ دینا اور کسی پر زیادتی کرنا سب ظلم کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے قانون شکنی اور حدود فراموشی اور بغاوت و سرکشی کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔ قرآن ظالم کو خود اپنے نفس کے حق میں ظلم کرنے والا قرار دیتا ہے۔

ظلم کے معانی حق تلفی کے بھی ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ تین بنیادی حقوق تلف کرتا ہے اولاً اللہ کا حق جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے کیونکہ تخلیق و رزق کے ہر ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شمار ممکن نہیں ہے۔ ثانیاً ان تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس فعل نافرمانی میں اس نے استعمال کیا کیونکہ ان چیزوں کا حق یہ تھا کہ انہیں ما کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے۔ ثالثاً خود اپنی ذات کا حق کیونکہ انسان پر اس کی ذات کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دور رہ کر اس کو تباہی سے بچائے۔ انہی وجوہ کی بنا پر قرآن حکیم میں جگہ جگہ گناہ کے لئے ظلم اور گناہ گار کے لئے ظالم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ ظلم حقیقت اور صداقت کے خلاف چلنا ہے۔ یہ ظلم دراصل انسان خود اپنی فطرت اور اپنے نفس پر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی نہ کرنے والوں اور بغاوت سرکشی برپا کرنے والوں کو قرآن

حکیم نے ظالم قرار دیا ہے۔ (۵۱:۵۶-۵۹) (۴۶:۱۲) (۳۷:۱۱۳) قرآن حکیم نے سورۃ الدھر ۷۶ کی آیات ۲۹ تا ۳۱ میں ان لوگوں کو ظالم قرار دیا ہے جن تک اللہ کا کلام اور رسول کی تعلیمات پہنچیں اور وہ سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر یہ فیصلہ کریں کہ ہمیں پیروی نہیں کرنی، وہ بھی ظالم ہیں جو سرے سے خدا کو نہیں مانتے تو اس کے نبی اور نبی کی تعلیمات کو ماننے کا کیا سوال پیدا ہوا۔ ان آیات میں انہیں بھی ظالم کہا گیا ہے جو صاف صاف انکار بھی نہیں کرتے لیکن عمل ان کا ہمیشہ احکام اللہ کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ ان تمام گروہوں کے خلاف قرآن نے اعلان کیا ہے کہ دنیا میں چاہے یہ دندناتے پھریں، خوب داد عیش دے لیں، اپنی بڑائی کے ڈنکے بجالیں مگر آخر کار انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی اور ان کا انجام ایک دردناک عذاب کے سوا کچھ نہیں ہوگا

ظالم بمعنی گناہ گار اور قصوروار۔ (۲۱:۸۷)۔ (۲۷:۱۱)۔ (۲۸:۱۶)۔ (۷:۱۹-۲۳)۔ (۲:۱۶۲-۱۶۵)۔ (۱۶:۸۵-۱۱۸)۔ (۲۵:۸)۔ (۷۵:۱۲)۔ (۱۳:۶)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے ہر فعل کو ظلم قرار دیتا ہے خواہ وہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو۔ اب ہم ذیل میں اپنی تحقیق کے مطابق معصیت و گناہ کے ان افعال کی ایک لسٹ دیتے ہیں جو قرآن حکیم نے اپنی مختلف سورتوں اور آیات میں فراہم کی ہے۔ اس سے ہماری اولین تعریف کے معانی بھی مستحکم ہو جاتے ہیں کہ عدل کا مطلب صرف مقدمات میں انصاف ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ نیکی و ثواب کا ہر کام عدل ہے اور یہی انسان کے امتحان و آزمائش میں سب سے اہم جواب طلب سوال ہے جس پر انسان کی دنیوی و اخروی فلاح لٹکی ہوئی ہے۔ اگر انسان عدل کا رویہ اپنائے گا تو اس کی زندگی میں فساد و ظلم کا نام و نشان مٹ جائے گا اور اگر عدل کے خلاف ظلم کا رویہ اپنائے گا تو اس کی انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی ظلم و فساد سے بھر جائے گی۔

مندرجہ ذیل افعال کو قرآن نے ظلم قرار دیا ہے جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں دائرے ہی شامل ہیں:

(۱) یتیموں کا مال کھا جانا ظلم ہے۔ (۴:۱۰)

(۲) دوسروں کا مال باطل طریقے سے کھا جانا (۴:۳۰)

(۳) وحی کو افترا کہنا (۲۵:۴) (۷:۳۷)

(۴) انبیاء کی تعلیم کو جھٹلانا (۲۷:۱۴) (۲۳:۲۷_۲۸_۳۹_۴۱) (۲۵:۲۷_۳۷) (۲۷:۴۹_۵۲) (۲۹:۳۹_۴۰) (۱۰:۱۳) (۲۲:۴۲ تا ۴۵) (۱۱:۳۶_۳۷) (۹:۷۰) (۷:۳۵ تا ۳۷) (۱۵:۷۸) (۱۴:۱۳) (۱۱:۶۷_۹۴)

(۵) اللہ کے احکام کو بدلنا (۲:۵۹) (۷:۱۶۲) اور خود ساختہ احکام کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بھی ظلم ہی قرار دیا گیا ہے۔ (۳:۹۳) (۶:۲۱) (۶:۹۴) (۷:۳۷) (۱۰:۱۷) (۱۱:۱۸) (۱۸:۱۵) (۲۹:۶۸) (۶۱:۷) (۳۹:۳۲)

(۶) دنیوی مفادات ہی کو پیش نظر رکھنا (۳:۱۱۶_۱۱۷)

(۷) نفسانی خواہشات کا اتباع کرنا۔ (۳۰:۲۹)

(۸) غیر اللہ کا حکم بلا سند و علم ماننا۔ (۳۷:۲۲_۲۳) (۷:۳ تا ۵) (۲۲:۷۱) اور ان کے قانون و دین کو ماننا ظلم ہے (۴۲:۲۱)

(۹) قانون کی خلاف ورزی کرنا (۳:۱۲۷) (۴:۶۴) (۵:۳۹)

(۱۰) تکذیب احکام خداوندی عین ظلم ہے۔ (۶:۱۵۸) (۳۹:۳۲)

(۱۱) مساجد کو آباد ہونے سے روکنا اور ان کی ویرانی کے درپے ہونا ظلم ہے۔ (۲:۱۱۴)

(۱۲) کتمان شہادت (چھپانا) ظلم ہے۔ (۲:۱۴۰)

(۱۳) غلط شہادت دینا ظلم ہے۔ (۵:۱۰۷)۔

(۱۴) قوانین خداوندی سے اعراض برتنا ظلم ہے۔ (۱۸:۵۷) (۳۲:۲۲) (۱۴:۳۴)

(۱۵) سود (ربوٰا) لینا ظلم ہے۔ (۲:۲۷۹) قرض کے ساتھ راس المال کے علاوہ

زیادہ لینا رہو ۱ ہے۔

(۱۶) اختلافات پیدا کرنا ظلم ہے۔ (۶۵:۴۳)

(۱۷) حدود اللہ سے تجاوز کرنا ظلم ہے۔ (۲۲۹:۲)

(۱۸) کفار اور دشمنان اسلام سے دوستی رکھنے والے ظالم ہیں۔ (۲۳:۹) (۹:۶۰)

(۱۹) قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ (۴۵:۵)

(۲۰) معاشرتی معاملات میں بے احتیاطی برتنا ظلم ہے۔ (۱۱:۴۹)

(۲۱) قیامت اور قانون مکافات عمل سے انکار کرنے والے ظالم ہیں۔ (۶:۱ـ ۱۵۰) (۱۷:۵۱ـ ۹۹) (۷:۴۴ـ ۴۵ـ ۶۰) (۱۱:۱۸ـ ۱۹) (۱۰:۴۹ تا ۵۲) (۲:۲۵۴)

(۲۲) منافقت ظلم ہے۔ (۲۴:۴۹ـ ۵۰)

(۲۳) احکام خداوندی کا مذاق اڑانا ظلم ہے۔ (۶:۶۸)

(۲۴) جرم سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے۔ (۶:۱۶۰)

(۲۵) خیانت کرنا ظلم ہے۔ (۱۲:۲۳) (۳۳:۷۲)

(۲۶) اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرنا اور اللہ کی راہ سے روکنا ظلم ہے۔ (۱۱:۱۸ـ ۱۹) (۷:۴۴ـ ۴۵)

(۲۷) حاملین کتاب اللہ ہونے کے تقاضے پورا نہ کرنا ظالموں کا کام ہے۔ (۵:۶۲)

(۲۸) دوسروں پر طعن کرنا، برے القاب رکھنا اور مذاق اڑانا ظلم ہے۔ (۱۱:۴۹)

(۲۹) قرآن حکیم جس عدل یا طریق کی تعلیم دیتا ہے اس کی بنیادی دفعہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو معبود اور شریک نہ ٹھہراؤ۔ خالق، ما اور رازق صرف اللہ ہی ہے اس کے حقوق اور اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے اور کسی کو اس کا شریک بنانا عدل کے منافی اور سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ہی لئے قرآن حکیم نے شرک کو

ظلم عظیم قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ شرک اتنی بڑی غیر عادلانہ حرکت ہے کہ اس کے وقوع پر تو زمین ہی شق ہو جائے یا پھر آسمان پھٹ پڑے یا پھر پہاڑ ہی گر پڑیں (۱۹. ۸۸ تا ۹۳) قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل مقامات پر توحید کو عدل اور شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ (۱۷: ۲۲) (۳۱: ۱۰ تا ۱۳) (۱۸: ۱۴۔ ۱۵ ۔ ۵۰ ۔ ۵۱) (۱۹: ۹۰) (۲۵: ۱۷ ۔ ۱۹ ۔ ۵۵) (۲۶: ۴۷ ۔ ۷۳) (۲۷: ۲۴ ۔ ۴۴) (۳۷: ۲۲ ۔ ۲۳ ۔ ۱۴۹ تا ۱۵۷) (۳۵: ۴۰) (۴: ۴۸ ۔ ۱۱۶) (۳۰: ۲۸ ۔ ۲۹) (۷: ۶۰) (۱۰: ۱۰۶) (۶: ۱ ۔ ۱۵۰) (۴۲: ۸ ۔ ۹) شرک اس لئے ظلم عظیم ہے کہ انسان ان کمزور ہستیوں کو اپنا خالق، رازق اور منعم بنالیتا ہے جن کا خلق و رزق میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ وہ خود خالق و رزاق حقیقی کی مخلوق ہیں۔ اس ہی لئے شرک انسان کی پوری زندگی کو ہر جہتی اور ہمہ وقتی ظلم کی تصویر بنا دیتا ہے۔ خدا کا بندہ ہو کر وہ کبھی عدل کے خلاف نہیں چلے گا لیکن اپنے ظلم کے لئے وہ ان غیر اللہ ہستیوں کی سفارشوں پر تکیہ کرے گا اور یہ عقیدہ فاسد اس کو ظلم و فساد کی راہ میں اور جری کر دے گا۔

(۳۰) دوسروں کا مال باطل طریقے سے کھانا ظلم ہے۔ (۴: ۳۰)

(۳۱) کسی بے گناہ کو پکڑ کر سزا دینا ظلم ہے۔ (۱۲: ۷۹)

(۳۲) تکبر و گمراہی اپنے نفس کے حق میں ظلم ہے۔ (۱۸: ۳۵) (۲۸: ۱۶ ۔ ۳۹ تا ۴۲)

(۳۳) آیات اللہ اور بینات کا انکار ظلم ہے۔ (۱۸: ۵۷)

(۳۴) منکرین حق ظلم کر رہے ہیں کہ علمی احاطہ کئے بغیر تعلیمات اسلام کی نفی کر رہے ہیں۔ (۲۷: ۸۴ ۔ ۸۵)

(۳۵) اللہ پر بہتان اور جھوٹ و افترا باندھنا اور حق کو جھٹلانا ظلم ہے۔ (۲۹: ۶۸) (۳۹: ۳۲) (۱۸: ۱۵) (۲۹: ۶۸) (۶: ۲۱)

(۳۶) اللہ کے نبی کو جھوٹا مدعی نبوت قرار دینے والا اور اللہ کے کلام کو نبی کا خود ساختہ کلام قرار دینے والا یعنی اللہ اور رسول پر بہتان باندھنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں۔ (۷:۶۱) (۲۵:۴)

(۳۷) کبر نفس کی بنا پر اسلام لانے سے انکار ظلم ہے۔ (۴۶:۱۰)

(۳۸) کسی دلیل کے بغیر کوئی عقیدہ رکھنا اور فریب دے کر دوسروں کو اس کے جھانسے میں پھانسنا ظلم ہے۔ (۳۵:۴۰) (۳۱:۱۱)

(۳۹) اللہ کی یاد سے غفلت اور شیطان کی پیروی ظلم ہے۔ (۳۹:۲۱ تا ۲۴) (۱۸:۵۰) (۴۳:۳۶ تا ۳۹)

(۴۰) اللہ کے احسانات کی ناشکری ظلم ہے۔ (۳۴:۱۸ـ۱۹)

(۴۱) اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو ولی بنانا ظلم ہے۔ (۴۲:۸)

(۴۲) جس کو آیات اللہ سے نصیحت کی جائے اور وہ منہ پھیرے (۳۲:۲۲)

(۴۳) حضرت عیسیٰؑ کی بے جا مخالفت کرنے والے (یہودی) اور حضرت عیسیٰؑ کی عقیدت میں ناجائز غلو کرنے والے (عیسائی) دونوں گروہ ظالم ہیں۔ (۴۳:۶۳ تا ۶۵)

(۴۴) خدا کی زمین پر بے حق بڑائی کا دعویٰ کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۸:۳۹ـ۴۰)

(۴۵) فواحش کا ارتکاب کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۹:۲۸ـ۲۹ـ۳۱)

(۴۶) رہزنی کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۹:۲۹ـ۳۱)

(۴۷) زمین میں فساد کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۹:۳۰ ـ ۳۱) (۲۷:۴۸ ـ ۵۲)

(۴۸) حق کو جھٹلانے والے ظالم ہیں۔ (۲۹:۶۸) (۱۸:۲۹)

(۴۹) اللہ کی آیات سے منہ موڑنے والے اور انہیں جھٹلانے والے ظالم ہیں۔ (۲۷:۱۴ ـ ۸۴ ـ ۸۵) (۱۸:۵۷) (۲۹:۴۹) (۸:۵۲ تا ۵۴)

(۱۷:۱۰) (۳۹:۱۰) (۳۶:۷ _ ۳۷ _ ۴۰ _ ۴۱ _ ۵۱ _ ۱۰۳ _ ۱۷۷)

(۵۰) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے جواب میں کفر و شرک کرنے والے ظالم ہیں۔ (۳۲:۱۸ تا ۳۵) (۳۲:۱۴ تا ۳۴) (۱۴۸:۷ _ ۱۵۰) (۱۰۶:۱۰) (۲۲:۱۴) (۱۸:۲۵ _ ۱۹)

(۵۱) خدائی میں شرکت کا دعویٰ کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۶:۲۱ تا ۲۹)

(۵۲) فرعون اور اس کی قوم ایک ظالم قوم تھی (۱۰:۲۶)

(۵۳) حق کے خلاف معاندانہ رویہ رکھنے والے ظالم ہیں۔ (۵۳:۲۲)

(۵۴) سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کی غلط راہ نمائی کر کے ان کو گمراہ کر دے۔ (۱۴۴:۶)

(۵۵) منافقین ظالم ہیں۔ (۱۰۹:۹) (۴۶:۹ تا ۴۸) (۴۷:۲۴ تا ۵۰)

(۵۶) جو بستی یا معاشرہ اپنی برائیوں کے خلاف جہاد نہیں کرتی قرآن حکیم اس کو ظالم قرار دیتا ہے۔ (۱۱۶:۱۱ _ ۱۱۷)

(۵۷) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطوں کی خلاف ورزی کرنا ظلم ہے۔ (۳۶:۹)

(۵۸) غریب و مفلس اہل ایمان کو ان کی غربت کی وجہ سے کم تر سمجھنا ظلم ہے۔ (۳۱:۱۱)

(۵۹) تعصب اور ضد کی وجہ سے حق کو تسلیم نہ کرنا ظلم ہے۔ (۴۲:۱۰ تا ۴۴) (۱۰۱:۱۱) (۳۳:۱۶)

(۶۰) معجزات کو جھٹلانے والے ظالم ہیں۔ (۵۹:۱۷)

(۶۱) اہل ایمان میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے والے ظالم ہیں۔ (۱۰۷:۹ تا ۱۰۹)

(۶۲) ایمان نہ لانے والے اور عقیدہ باطل اختیار کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲۷:۱۴)

(۶۳) خدا کے دیئے ہوئے حواس اور بخشی ہوئی عقل سے کام نہ لینے والے اندھے اور

ظالم ہیں۔ (۱۱: ۱۹۔ ۲۴)

(۶۴) دین کو کھیل اور تفریح اور دنیا کے فریب میں مبتلا ہو جانے والے ظالم ہیں (۷: ۴۵۔ ۵۱)

(۶۵) عیش پرستی میں نیک و بد کو بھول جانے والے ظالم ہیں۔ (۱۱: ۱۱۳۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷)

(۶۶) قرآن کی دعوت آ جانے کے بعد منہ موڑنے والے ظالم ہیں۔ (۱۷: ۸۲)

(۶۷) دین سے زیادہ دنیا کو وقعت دینے والے ظالم ہیں۔ (۹: ۱۹۔ ۲۴)

(۶۸) اللہ کے دیئے ہوئے علم کو چھوڑ کر دوسری کی پیروی کرنا ظلم ہے۔ (۲: ۱۴۵)

(۶۹) اللہ کی آیات پر نکتہ چینیاں کرنے والے ظالم ہیں۔ (۶: ۶۸)

(۷۰) اللہ پر بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کرنا ظلم ہے۔ (۶: ۹۳)

جب معاشرے میں عدل و انصاف نہ ہو گا تو قرآن مجید کے مطابق فساد ہو گا۔ قانون کی اطاعت کی حکمرانی جب ناپید ہو جائے تو اس حالت کو قرآن حکیم نے فساد کی حالت قرار دیا ہے۔ (۴۷: ۲۱۔ ۲۲) قرآن کے مطابق نفاق فساد ہے (۲: ۱۱۔ ۱۲)، یتیموں کے معاملے میں اصلاح نہ کرنا بھی فساد ہے (۲: ۲۲۰)، اللہ کی راہ سے روکنا فساد ہے (۱۶: ۸۸)، حد سے بڑھنا فساد ہے۔ (۲۶: ۱۵۱۔ ۱۵۲)، اللہ کے عہد کو توڑنا فساد ہے۔ (۲: ۲۷) (۱۳: ۲۵)، یہودیوں کو مفسد کہا گیا ہے (۵: ۶۴)، قارون کی ذہنیت کو فساد کہا گیا ہے۔ (۲۸: ۷۷)، قریش کو مفسد کہا گیا ہے۔ (۸: ۷۳) (۱۰: ۴۰)، فرعون لعین کو مفسد کہا گیا کیونکہ وہ اپنی رعایا میں عدل نہیں کرتا تھا اور ان کے گروہ و طبقات بنا کر رکھتا تھا (۲۷: ۳۴) (۲۸: ۴ تا ۶) (۱۰: ۹۱)، خدا اور اس کے رسولوں سے بغاوت کرنا فساد ہے اس ہی لئے عاد، ثمود اور فرعون سب کو مفسد کہا گیا ہے۔ (۸۹: ۱۲)، قوم لوط کو بھی ان کی غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے مفسد کہا گیا ہے۔ (۲۹: ۳۰) قرآن حکیم نے مفسدین کا انجام بد بھی جگہ جگہ بیان کیا ہے (۷: ۸۶) (۳۸: ۲۸) (۱۰: ۸۱)

(۱۴:۲۷) (۲۷:۲) (۸۸:۱۶)

— عہد شکنی کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے۔ (۲۷:۲) (۲۲:۴۷)

— جو لوگ اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے نظام عدل و قسط کو درہم برہم کرنے اور فساد پھیلانے کے درپے رہتے ہیں ان کی سزا۔ (۳۳:۵۔۳۴)

— اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور عدل اپناؤ اور اللہ کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (۶۰:۲)

— انسان کی اپنی کرتوتوں اور ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے ہی زمین میں ہر طرف فساد پھیلتا ہے۔ (۴۱:۳۱)

— اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنے والے ظالم ہیں (۳۰:۲۹۔۳۱) (۴۸:۲۷۔۵۲)

اسی طرح ظلم و فساد کے انجام بد پر بھی قرآن میں جگہ جگہ تنذیر کی گئی ہے ارشادات حق تعالیٰ عز و جل اس طرح ہیں:۔

— ظالم کا انجام بد مقدر ہے۔ (۳۹:۲۸ تا ۴۲۔۵۸۔۵۹) (۲۵:۲۲۔۴۲ تا ۴۶) (۳۷:۳۵) (۱۶۹:۴) (۴۱:۷) (۲۹:۱۸۔۵۸۔۵۹) (۶۸:۱۹ تا ۷۲) (۱۱:۲۱ تا ۱۵۔۲۹) (۴۱:۲۳۔۱۰۷) (۴۲:۳۴) (۲۲:۳۷۔۲۳) (۶۳:۳۷) (۲۴:۳۹) (۳۹:۴۳) (۱۷:۵۹) (۳۱:۷۶) (۲۲:۱۴) (۲۱:۴۲) (۶۵:۴۳) (۱۹:۲۵۔۳۷) (۴۲:۴۲۔۴۵) (۴۷:۵۲) (۵۹:۵۱) (۵۱:۳۹) (۱۵۰:۳) (۵۹:۲) (۱۳:۱۴ تا ۱۷) (۳۳:۱۶۔۳۴) (۳۹:۱۰۔۵۲) (۵۴:۸) (۵۰:۱۸) (۳۱:۷۶) (۶۷:۱۱۔۲۰۔۳۴۔۴۳۔۶۸۔۷۶۔۹۴ تا ۱۰۱) (۵:۷۔۹۔۳۶۔۳۷۔۴۰۔۴۱۔۱۶۰ تا ۱۶۶)

— ظالم دنیا بھر کی دولت دے کر بھی عذاب الٰہی سے نہ چھوٹ سکے گا۔ (۵۴:۱۰) (۴۷:۳۹)

— ظالم اقوام سابقہ کا ذکر جو اپنے ظلم کی وجہ سے تباہ ہو گئیں (۱۳:۱۰) (۶۷:۱۱) (۹۴:۱۱) (۴۷:۶) (۵۴:۸) (۴۵:۱۴) (۷۸:۱۵) (۱۱:۶۶) (۱۱:۲۱ تا ۱۴) (۴۵:۲۲) (۲۰۹ـ۱۰:۲۶) (۳۱:۲۹) (۱۰۳:۷) (۱۱۲:۱۶ـ ۱۱۳) (۱۳:۱۰) (۱۰۱ـ۸۳:۱۱) (۵۹:۱۸) (۴۱:۲۳) (۵۲:۲۷ـ ۸۵) (۱۴:۲۹) (۵۲:۵۳) (۱۹:۳۴) اور ان ظالموں کے انجام بد پر رونے والا کوئی نہ تھا (۲۹:۴۴)

— ظالم اقوام پر اللہ تعالیٰ بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیتا ہے۔ (۱۱۲:۱۶ـ ۱۱۳)

— ظلم اور ظالم کبھی کامیاب (فلاح) نہیں ہو سکتے۔ (۱۱۱:۲۰) (۱۱۶:۳) (۷:۶۱) (۱۰:۴۶) (۵۰ ـ ۴۰ ـ ۳۷:۲۸) (۱۹:۹) (۲۳:۱۲) (۵:۶۲) (۲۱:۶) (۴۹:۷) (۴۴ـ۱۸:۱۱) (۵۳:۲۲) (۱۳:۱۴) (۳۹:۱۰) (۱۳۵ـ۲۱:۶) (۴۰:۴۲) (۱۴۰ـ۵۷:۳) (۲۴:۷۱ـ ۲۸)

— انسان غلط رویہ اختیار کر کے اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی کر کے اپنے اوپر خود ہی ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۲۳۱ـ ۵۷ـ ۵۴ ـ ۵۱:۲) (۴۴:۲۷) (۱۴۸:۷) (۳۶:۹) (۳۲:۳۵) (۳۵ ـ ۲۹:۱۸) (۱۱۳:۳۷) (۹۷:۴) (۱۷۷:۷) (۱۱۸:۱۶) (۱۶۰ ـ ۲۳:۷) (۷۶:۴۳) (۱۱۶:۳) (۶۴:۴)

— ظالموں کے حق میں حضرت نوحؑ کی بد دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہلاکت کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ نہ کرے۔ (۲۸:۷۱)

— اہل ایمان ظلم میں ملوث نہیں ہوتے (۸۳:۶)

— ظالم سے مفاہمت نہ کرو۔ (۱۱۳:۱۱)

— ظالم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اللہ متقین کا دوست ہے۔ (۱۳۰:۶)

(۱۹:۴۵)

— ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (۲:۲۷۰) (۳:۱۹۲) (۵:۷۲) (۲۲:۷۱)

— ظلم سے بچنے کی دعا (۱۰:۸۵)

— ظلم سے بچ رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (۲۳:۲۸)

— ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (۶:۶۸)

— قرآن ظالم اور مظلوم کے درمیان عدل کے مطابق صلح کروانا چاہتا ہے۔ (۴۹:۹)

— ظالم کے خلاف مظلوم کی عملی مدد کرنے کا حکم۔ (۴۹:۹)

— کائنات کی تخلیق برحق کا تقاضا ہے ایک دن انسان اپنے دنیوی اعمال کی جواب دہی کے لئے اکٹھا کیا جائے اگر ایسی کوئی سبیل نہ ہو کہ ظالموں کو سزا ملے اور مظلوموں کی داد رسی ہو تو یہ ظلم ہو گا۔ (۴۵:۲۲)

— ظالوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کسی کی سفارش قبول نہیں کرتا۔ (۱۱:۳۷)

— ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے۔ وہ ایمان لانے والوں کے برابر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (۹:۱۹ تا ۲۴)

— ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۷:۴۴) (۱۱:۸۸)

— ظالموں سے اللہ کا عذاب دور نہیں ہے۔ (۱۱:۸۳)

— اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (۳:۵۷)

— اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۳:۸۶) (۵:۵۱) (۶:۱۴۴)

— مظلوم کو بدکلامی پر رخصت ہے۔ (۴:۱۴۸)

— ظالموں کی حالت سکرات موت میں۔ (۶:۹۳)

— مظلوم کو فریاد اور داد رسی کا حق ہے۔ (۴:۱۴۸ - ۱۴۹) (۱۷:۳۳) (۲:۱۹۳) (۲۲:۳۹) (۲۶:۲۲۷) (۴۲:۴۱)

— اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریاد ضرور سنتا ہے۔ (۴۰:۶۰) (۱:۵۸) (۱۴:۳۹) (۲:۳۸) (۳۴:۵۰)

— ظالم اور مجرم مظلوم کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ (۵:۳۲)

— روز قیامت سب سے پہلے مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی۔ (۸۱:۸۔۹)

— انسان کے ظلم کے باوجود اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے حالانکہ بدی کی سزا دینے میں وہ بہت سخت ہے۔ (۱۳:۶)

— اللہ تعالیٰ انسان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان اپنی حرکتوں اور کرتوتوں کی وجہ سے خود اپنے اوپر مصیبت لاتا ہے اور پھر چلاتا ہے کہ میرے پر میرے رب نے ظلم کر دیا۔ (۲:۵۷) (۳:۱۱۷۔۱۶۵۔۱۸۲) (۴:۷۹) (۵:۴۹) (۶:۷۰۔۱۲۳) (۷:۱۶۰۔۱۶۲۔۱۶۳۔۱۷۰) (۸:۵۱۔۵۲) (۹:۷۰) (۱۰:۴۴۔۵۲) (۱۱:۱۰۱) (۱۶:۲۸۔۳۳۔۱۲۸) (۱۸:۵۷۔۵۹) (۲۲:۱۰) (۲۷:۸۵) (۳۰:۹) (۳۴:۱۹) (۳۵:۳۲) (۱۸:۴۹) (۳۰:۱۱۲) (۲۳:۶۲) (۲۶:۲۰۸۔۲۰۹) (۲۹:۴۰) (۳۷:۱۱۳) (۳۹:۵۳) (۱۹:۶۰)

— اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ (۴۰:۳۱) (۴:۱۴۶۔۱۴۷) (۳:۱۰۸۔۱۰۹) (۴۱:۴۶) (۴۵:۱۵)

— جو بھی راستے سے ہٹ کر ظلم کی راہ اپنائے گا اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب کا مزا چکھائے گا۔ (۲۲:۲۵)

— زیادتی و ظلم کا مقابلہ کرو برائی کا بدلہ کا ویسا ہی بدلہ دو جیسا برا کیا گیا ہو مگر جو معاف کر دے اس کا اجر اس کے رب کے ذمے ہے جو ظلم کا بدلہ لیتے ہیں وہ ہرگز ملامت کے مستحق نہیں ہیں۔ ملامت کا مستحق تو وہ ہے جو ظلم کرتا ہے البتہ صبر سے کام لینا اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔ (۴۲:۴۰ تا ۴۳)

— ظلم کی وجہ سے سارا معاشرہ لپیٹ میں آ جاتا ہے سزا صرف ظالمین ہی تک محدود نہیں رہتی (۸:۲۵)

ظلم و فساد کے اس قرآنی بیان کو درست طریقے سے سمجھنے کے لئے اس باب میں ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد لئے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں قرآن حکیم کی جو تشریح و توضیح کی ہے وہی حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی اس کتاب کی سرکاری مصدقہ (Officially authenticated Interpretation) تشریح و توضیح ہے۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جب اہل ایمان قیامت کے دن دوزخ پر سے گزر جائیں گے تو بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر لٹکائے جائیں گے اور دنیا میں جو ظلم انہوں نے ایک دوسرے پر کئے تھے ان کا بدلہ لیا جائے گا جب وہ ان مظالم سے پاک صاف ہو جائیں گے تبھی انہیں جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی"

(روایت حضرت ابو سعید خدری ؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں ارشاد فرمایا "اور ظالموں کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو غافل نہ سمجھنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ انہیں اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس روز آنکھیں پتھرا جائیں گی اور وہ سر اوپر کو اٹھائے بھاگے جا رہے ہوں گے"

(کتاب المظالم۔ بخاری)

(ii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کہ نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ ہی ظالم کے ہاتھ میں اسے چھوڑ کر بیٹھ جائے اور جو مسلمان اپنے بھائی کا کام نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کا کام نکالے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت ٹالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی مصیبت ٹالے گا اور جو مسلمان بھائی کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا عیب چھپائے گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کرتا ہے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی مظلوم کی مدد تو ہم ضرور کریں گے ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپؐ نے فرمایا اس کو اس کے ظلم سے روکو (یہ ہی اس کی مدد ہے)

(روایت حضرت انس بن ما ؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری اور حضرت جابرؓ۔ کتاب البر الصلہ والادب۔ مسلم)

(iv) حضرت براابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں سے منع کیا اور سات باتوں کا حکم دیا جن میں سے ایک یہ تھی کہ مظلوم کی مدد کرو۔

(کتاب المظالم۔ بخاری)

(v) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ظالم قیامت کے دن اندھیرے میں ہوں گے"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری + باب الظلم۔ مشکوٰۃ المصابیح + سنن دارمی)

اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کھلم کھلا برا کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم ایسا کر سکتا ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب مظلوم پر ظلم ہوتا ہے تو وہ محض واجبی سا بدلہ لیتے ہیں۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ذلیل کرنے کو برا جانتے تھے جب دشمن پر قدرت پا لیتے تو معاف کر دیتے تھے لیکن دوسری طرف عاجز اور ذلیل نہیں بن جاتے تھے بلکہ انصاف سے اتنا ہی بدلہ لیتے تھے جتنا ان پر ظلم ہوا ہوتا تھا یعنی خود ہی ظالم نہیں بن جاتے تھے اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ بقدر ظلم بدلہ لینا درست ہے لیکن معاف کر دینا افضل ہے۔ (باب انتصار من الظالم۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

اسی طرح سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم کھلم کھلا نیکی کرو یا چھپا کر یا برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دینے والا اور قدرت والا ہے اور سورہ حسم عسق میں فرمایا برائی کا بدلہ برائی ہی ہے اس ہی جیسی اور پھر جو معاف کر دے اور بھلائی کرے اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جو ظلم ہونے پر بدلہ لے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ گناہ ان پر ہے جو اول زیادتی کرتے ہیں ملک میں ناحق ظلم روا رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کو دکھ کا عذاب ہو گا اور اے پیغمبر! تو ظالموں کو دیکھے گا کہ جب عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ اب دنیا میں واپس پلٹنے کی بھی کوئی صورت ہے؟

(باب عفو المظلوم۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس کسی نے کسی کی عزت و آبروریزی کی ہو یا کوئی ظلم کیا ہو وہ آج دنیا ہی میں معاف کروا لے اس دن (قیامت) سے پہلے، جس روز نہ روپیہ ہو گا نہ اشرفی البتہ اگر نیک عمل اس کے پاس ہوں گے تو وہ لے کر مظلوم کو دے دیئے جائیں گے۔ اگر اس ظلم کے موافق نیک عمل نہ رکھتا ہو گا تو مظلوم کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔ (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

کتاب الرقاق۔ بخاری + روایت حضرت بریدہؓ۔ کتاب الامارت۔ مسلم)

(vii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو کوئی ظلم سے کچھ زمین کسی مظلوم سے چھین لے تو سات زمینوں کا طوق (قیامت کے دن) اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور وہ سات زمینوں تک دھنستا چلا جائے گا"

(روایت حضرت سعید بن زیدؓ + حضرت عائشہ صدیقہؓ + حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب المظالم۔ بخاری)

(viii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ ظالم کو (چند روزہ دنیوی زندگی میں) مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے"

(روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری۔ کتاب التفسیر۔ بخاری)

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں کرتا اور مظلوم کی دعا کو ابر کے اوپر اٹھا لیتا ہے اور اس کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ ایک مدت کے بعد ہی ہو۔

(روایت حضرت ابو ہریرہ۔ ابواب الدعوات۔ ترمذی)

(x) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"قاتل (ظالم) بے گناہ مقتول (مظلوم) کے تمام گناہ روز جزا و سزا کو سمیٹ لے گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعود۔ کتاب المحاربۃ۔ نسائی)

(xi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص کسی ظالم کی مدد کرے گا یا ظلم میں مددگار ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے غصے میں رہے گا یہاں تک کہ ظلم میں سے نکلے (یعنی اس امر سے توبہ کرے اور چھوڑ دیوے)"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمر۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ + کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد)

(x) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو کسی کو ضرر (ظلم) پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے ضرر پہنچائے گا جو کسی سے (ناجائز) دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس سے دشمنی کرے گا"

(روایت ابو حرمہ۔ کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد)

باب نمبر۱۱

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں عدل پسندی

حقوق اللہ سے مراد انسان پر اس کے خالق و مربی حق تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ ان حقوق کی ادائیگی میں بھی عدل ہی کا حکم ہے یعنی ان کی ادائیگی میں انسان اتنا متشدد (Rigid) نہ ہو جائے کہ اپنی زندگی اجیرن کر لے۔ نماز ہی کو لے لیجئے۔ پانچوں نمازیں دن کے مختلف اوقات میں کل ملا کر ۲۴ گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹے سے کم میں ادا ہو جاتی ہیں پھر نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان سب سے لمبا وقفہ ہے کیونکہ عام طور پر یہ کاروبار دنیا کا وقت ہے۔ ملازمت پیشہ سے لے کر زراعت پیشہ، طالب علم سے لے کر امور خانہ داری میں مصروف خاتون خانہ سب مصروف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا لحاظ کیا اور ان دو نمازوں کے درمیان سب سے بڑا وقفہ رکھا۔ اسی طرح ہر عبادت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات اور انسانی قوتوں کو مدنظر رکھا ہے۔ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی میں دی گئی رخصتیں اور رعایتیں اس منشائے الٰہی کو ثابت کرتی ہیں کہ ان عبادات کی ادائیگی میں سختی ہرگز شرع کا منشا نہیں ہے۔ صرف نماز ہی کو لے لیجئے۔ وضو میں پانی نہ ملنے کی صورت میں یا بیماری کی صورت میں تیمم کی رعایت، عورتوں کی مخصوص دنوں میں نمازوں سے معافی، سفر میں نمازوں میں قصر کی اجازت، نادانستہ طور پر چھوٹ جانے والی نمازوں کے لئے قضا کی اجازت، حالت خوف و جنگ میں نمازوں کو اکٹھا کرنے کی اجازت یہ وہ تمام رعایتیں ہیں جو شارع نے اپنے بندوں کے لئے رکھ چھوڑی ہیں غرض یہ کہ ہر عبادت میں

حق تعالیٰ نے انسانوں کی مجبوریوں اور کمزوریوں کا لحاظ رکھا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی ان کی ادائیگی میں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یہ ہی خالق حقیقی کی منشا ہے۔ کئی احادیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہردم عبادات میں رہنے والے صحابہ کرامؓ کو اس بات سے منع کیا کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے والدین کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی اور اولاد کا بھی تم پر حق ہے۔ اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جو فجر کی نماز میں امامت کراتے ہوئے بہت لمبی قرات کیا کرتے تھے ان کے منصب سے ہٹا دیا اور فرمایا اعتدال کرو کہ تمہارے پیچھے عورتیں بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں اور کام والے لوگ بھی ہیں۔

اصل چیز حقوق العباد ہیں جن کی بہترین ادائیگی (Practice) کے لئے اللہ تعالیٰ کے حقوق اللہ انسان کی عادات کو اعتدال میں لاتے ہیں، نماز اس کو تنظیم Discipline سکھلاتی ہے، خوف خدا اور خوف آخرت پیدا کرتی ہے، روزہ اس کے دل میں غریب کی بھوک پیاس کا احساس پیدا کرنے کے ساتھ خدا کا خوف پیدا کرتا ہے، حج کی تکالیف اسے راحت والی زندگی کے ساتھ مشکلات کی عادت ڈالتی ہیں، زکوٰۃ اس کے دل میں سے دولت کا عشق نکالتی ہے اور اسے فتنہ تکاثر سے بچاتی ہے اور غریب کی ہمدردی اور اس کی تکلیف اور دکھ کا احساس دلاتی ہے۔

غرض حقوق اللہ کا ایک مکمل پیکر مسلم جب حقوق العباد کی طرف آتا ہے تو وہ ایک سچا، ہمدرد اور غم گسار انسان ہوتا ہے۔ خدا کی مخلوق اس سے خوش ہوتی ہے اور جب خدا کی مخلوق خوش ہوگی تو خالق بھی ایسے انسان سے خوش ہوگا۔

بدقسمتی سے ہم لوگوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باہمی اہم تعلق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ہم ایسے مسلمان اپنے معاشرے میں بکثرت پاتے ہیں کہ نمازیں پڑھ پڑھ کر ان کے ماتھے سیاہ پڑ گئے ہیں، ہر سال حج کرتے ہیں، رمضان کے روزے بھی بڑے تزک و اہتمام سے رکھتے ہیں لیکن خلق خدا ان سے تنگ ہے، معاملات کے نہایت گندے ہیں اور اس سب کے ساتھ ان کی دین داری کا بڑا چرچا ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے اسی

دردمندانہ احساس کو ایک شعر میں نہایت خوبصورتی سے یوں بیان کیا ہے۔

؎ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو

بیان

ایک اور نامعلوم شاعر نے یہ ہی بات نہایت خوبی سے یوں بیان کی ہے۔

؎ یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حاصل تحریر یہ ہوا کہ منشائے خداوندی یہ ہے کہ انسان حقوق اللہ (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ) بھی اپنے وقت پر منشائے خداوندی کے تحت ضرور بضرور ادا کرے اس کے بغیر ہرگز نجات نہیں ہے لیکن ان سے حاصل برکت کو خدا کی مخلوق کے حقوق کی بہترین اور بخوبی ادائیگی میں استعمال کرے۔ اس باب کے آخر میں ہم رسول اکرم صلعم کی حدیث پیش کریں گے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی (ماسوائے شرک) بندے اور خدائے رحیم و کریم کا معاملہ ہے جس کی مغفرت بے پناہ ہے لیکن حقوق العباد میں کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود نہیں بخشے گا وہ ظالم اور مظلوم کا درمیانی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو دین اسلام کی درست اور مکمل سمجھ عطا فرمائے۔

آیئے اب حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باب میں ہم پہلے قرآن حکیم کے احکام کو لیتے ہیں۔

(i) حقوق اللہ

— کسی مذہبی طبقے کی برتری بھی ناانصافی ہے چنانچہ قرآن اس کی مذمت کرتا ہے۔ (۲ : ۱۹۹)

— دنیوی نعمتوں کا بدلہ یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی عبادت کرے۔ (۱۰۶: ۱ تا ۴)

— فطری ہدایت، ہدایت بذریعہ انبیاء کرام اور کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی آیات و بینات کی پیروی انسان پر فرض کی گئی ہے لیکن انسان ان ہدایات کی پیروی کم ہی کرتا ہے اور یہ فرض پورا نہیں کرتا (۲۳:۸۰)

(ii) حقوق العباد

— ایفائے عہد اور ناپ تول پورا نہ کرنا دوسروں کی حق تلفی ہے چنانچہ کاروبار میں پورا تولنے اور میزان دنیا کو درست رکھنے کا حکم اور ناپ تول میں پورا عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۶:۱۵۲) (۱۷:۳۵) (۱۲:۵۹) (۷:۸۵) (۲۶:۱۸۱) (۸۳:۱ تا ۳) (۱۱:۸۴ تا ۹۴)

— امیر ہو یا غریب عدل و انصاف کے ترازو میں ایک ہی وزن رکھتا ہے (۴:۱۳۵) (۶:۵۳)

— کسی کو حقیر نہ جانو خواہ امیر ہو یا غریب (۳۱:۱۸) (۱۱:۳۱)

— معاملات وراثت میں کسی کی حق تلفی کی ممانعت (۴:۱۱)

— امانتیں ادا کرنے کا حکم۔ (۲:۲۸۳) (۴:۵۸) (۲۳:۸) (۷۰:۳۲) (۳۳:۷۲) (۲۸:۲۶) (۲۷:۳۹) (۴۴:۵۱) (۸:۲۶ تا ۲۸)

— معاہدہ رہن کی شرائط پوری ہونے پر انصاف کے ساتھ رہن شدہ مال واپس کرنے کا حکم۔ (۲:۲۸۳)

— عہد و معاہدات کو انصاف کے ساتھ پورا کرو (۵:۱) (۲:۱۷۷) (۷:۱۷۲۔ ۱۷۳) (۱۷:۳۴) (۹:۴۔ ۷) (۲:۴۰) (۶:۱۵۳) (۳:۷۶۔ ۱۸۶) (۳۳:۱۵) (۲:۱۷۲) (۳:۷۵) (۱۳:۱۹۔ ۲۰۔ ۲۵) (۴۸:۱۰) (۱۶:۹۱۔ ۹۵)

— عدل و انصاف کرنے کا حکم۔ (۵۷:۲۵) (۵:۸۔ ۴۲) (۷:۲۹) (۴۲:۱۵) (۵۵:۷ تا ۹) (۲۶:۱۸۲) (۱۷:۳۵) (۵:۴۵) (۱۱:۸۵)

(۱۶ : ۹۰) (۴۹ : ۹) (۳۸ : ۲۶) (۴ : ۵۸ ـ ۱۰۵ ـ ۱۳۵)

— اپنی عورتوں سے رحم و مروت اور عدل و انصاف پر مبنی سلوک کرو (۴ : ۱۹ ـ ۲۰ ـ ۱۲۹) (۳۰ : ۲۱) (۲۵ : ۷۴) اللہ کے پاس بھی مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں مدار فضیلت اعمال صالح ہیں (۳۳ : ۳۵)

— بیوی کے ساتھ عدل کرنے کا حکم اور تعدد ازواج میں عدل پہلی شرط ہے۔ (۴ : ۳ ـ ۱۲۸ ـ ۱۲۹) دل کے لگاؤ میں عدل تو تمہاری طاقت سے باہر ہے لیکن سلوک اور حقوق ظاہریہ میں عدل تم ضرور کر سکتے ہو۔

— لونڈی غلام سے عدل و انصاف کرنے کا حکم (۴ : ۳۶) (۲۴ : ۳۳)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں جو آخری نصیحت صحابہ کرامؓ کو فرمائی وہ تھی "نماز ـــــ نماز اور تمہارے زیر دست (یعنی غلام و لونڈی) کا خیال رکھنا۔ (بخاری)

غلاموں سے اچھا سلوک کرنے اور ان کو آزاد کرنے کے فضائل و برکات قرآن و حدیث میں جگہ جگہ آئے ہیں کہ شاید ہی کوئی اور نیکی اس کے ہمسر ہو سکے مختلف شرعی احکام کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے مثلاً کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار اور کفارہ یمین وغیرہ ان تمام احکام کفارہ میں اولین صورت یہ ہی ہے کہ غلام کو آزاد کیا جائے احادیث نبویؐ میں تو یہاں تک ہے کہ لونڈی غلام کو ناجائز تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے۔ (۹ : ۶۰) میں غلاموں کی آزادی کو صدقات و زکوٰۃ کی ایک حد قرار دیا گیا ہے۔ اس ہی طرح (۹۰ : ۱۳) میں غلاموں کو آزاد کروانا ہی نیکی کی معراج قرار پائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے کسی مومن غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ سے بچا لے گا"

غلاموں کی اعلیٰ تربیت و تعلیم کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ عبدالما بن مروان کے دور حکومت میں اسلامی حکومت کے

تمام صوبوں کے مرجع اعلیٰ سب کے سب آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد حضرت معاذؓ بن جبل نے روایت کیا ہے کہ "اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں اسے محبوب ترین عمل غلاموں کو آزاد کرنا ہے اور مبغوض ترین اور مکروہ ترین طلاق دینا ہے"

— یتیموں کے ساتھ انصاف و قسط کرنے کا حکم (۶:۱۵۲) (۱۷:۳۴) (۱۹:۱۰ تا ۱۷) (۷۶:۸) (۹۰:۱۲ تا ۱۶) (۹۳:۹ تا ۱۱) (۲:۲۲۰) (۴:۲۔۳۔۶۔۹۔۱۰۔۱۲۷)

بخاری کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص رشتہ دار اور غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے گا جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہو گا اور پھر آپ نے شہادت اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا"

— مسکینوں اور غرباء کے حقوق کا بیان اور ان کی ادائیگی کو اہل ایمان کی صفات عالیہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (۸۹:۱۸) (۱۰۷:۳)

— مساکین کی مدد کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے "بیوہ اور مسکین کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسے ہمیشہ نماز میں کھڑا رہے نہ آرام کرے اور پے درپے روزہ رکھے اور کبھی روزہ نہ چھوڑے (بخاری و مسلم)

— اہل ایمان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے (۵۱:۱۹)

— بیوہ اور بے سہارا عورتوں سے نکاح کرو تو بھی عدل کرو ان کا مہر ادا کرو اور ان کا مہر کھانے کی تدبیریں ہرگز نہ کرو (۴:۱۲۷)

— منہ بولے بیٹے کو ان کے اصل باپوں سے نسبت دو، یہ ہی اقسط ہے۔ (۳۳:۵)

— اگر معاشرے میں تنہا رہ جانے والے عورتوں کے حقوق پورا کرنے کی کوئی

صورت نہ دیکھو تو الا تقسطوا یعنی ان سے شادی کر لو لیکن عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو (۴:۳)

___ قصاص میں عدل کرو (۲:۱۷۸۔۱۷۹)

___ عدل کی مثال کہ جو مسلمان عورتیں کفار سے بھاگ کر آ جائیں ان کے خاوندوں کو وہ تمام رقوم اور مہر وغیرہ واپس کردہ جو وہ ماضی میں ان پر خرچ کرتے رہے ہیں (۶۰:۱۰)

___ احسان کا بدلہ احسان ہی ہو سکتا ہے یہ ہی تقاضائے عدل ہے۔ (۵۵:۶۰)

___ میاں بیوی کے جھگڑے نپٹانے کے لئے ثالثی کا عادلانہ قانون۔ (۴:۳۵)

___ غنائم جنگ اور اموال مفتوحہ کی تقسیم میں عدل کا حکم (۵۹:۹) (۸:۳۱)

___ عدل و انصاف اور معروف کے مطابق وصیت کا حکم۔ (۲:۱۸۰) (۴:۱۲)

___ وصیت کی اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں تاکہ وصیت کرنے والے کی نادانستہ یا قصداً ناانصافی اور غلطی کو رفع کر کے انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے۔ (۲:۱۸۱)

___ میدان جنگ میں بھی عدل کا رویہ اپنانا منشائے الٰہی ہے۔ (۲:۱۹۰ تا ۱۹۴)

___ طلاق کے بارے میں مبنی بر عدل رویہ اپنانے کا حکم اور اس پر عمل نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ (۲:۲۲۹) (۲:۲۳۶۔۲۴۱) (۶۵:۱۔۲۔۴)

___ قوانین رضاعت میں عادلانہ رویہ (۲:۲۳۳) (۶۵:۶۔۷)

___ مہر کے بارے میں عادلانہ احکام قرآن۔ (۲:۲۳۷) (۴:۴۔۵)

(۴:۱۹_۲۰_۲۴_۲۵) (۵:۵) (۶۰:۱۰)

—— عدل خداوندی کا مظہر اعلان کہ جس نے ناحق کسی انسان کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا جس نے کسی ایک جان کو بچا لیا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی کسی انسان کا قتل صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔

(۱) اللہ کی زمین میں فتنہ فساد پھیلانے کے جرم میں (۲) کسی دوسرے انسان کے قتل کے بدلے میں بطور قصاص (۵:۳۲) (۶:۱۵۱) (۲۵:۶۸) (۱۷:۳۳)

—— انسانوں کی ملکیتی اشیاء کی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کا حکم۔ (۵:۳۸)

—— میاں بیوی کی تہمت مابین میں لعن کا عادلانہ حکم۔ (۲۴:۶ تا ۱۰)

—— بیوی کو ظہار کر دینے کے باب میں قرآن کا عادلانہ حکم۔ (۵۸:۱ تا ۴)

—— ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے کی ممانعت (۲:۱۸۸) (۵:۶۲) (۴:۲۹_۱۶۰) (۹:۳۴)

اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے آنے والا باب "اسلام کا بے مثال عدل اجتماعی" (باب نمبر ۱۵) ملاحظہ کریں جس میں ہر مسلم شہری کے حقوق و فرائض دیئے گئے ہیں:۔

—— غیر مسلم افراد سے بھی عدل و انصاف کا تعلق رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، رشتہ دار اور برادری کے لحاظ سے اگر ان کے حقوق ہوں تو انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرنے کا حکم۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم مدینہ میں اس وقت دیا گیا جب کہ ہر مسلمان کے غیر مسلم رشتہ دار مکہ میں موجود تھے۔ (۵:۸) اس کے علاوہ بھی عدل و انصاف کے معاملے میں کسی قسم کے تعصب کو داخل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴:۱۰۵ تا ۱۰۸) (۶:۱۵۲) (۵:۲_۸) (۴:۱۳۵)

—— طلاق قبل از دخول کی صورت میں عدت کے عادلانہ احکام (۳۳:۴۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاشرت کے عادلانہ احکام (۴۳:۵۳۔ ۵۴)

اب اس باب میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند چیدہ چیدہ ارشادات ہم نقل کرتے ہیں:

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جزا و سزا عادلانہ طریقہ کار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"(روز قیامت) نامہ اعمال تین قسم کے ہوں گے ایک نامہ اعمال جس کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (کیونکہ یہ بات سراسر عدل کے خلاف ہے کہ واحد خالق و رب تو ذات خداوندی ہو اور ہم اس کی صفات و اختیارات میں اس ہی کی کمزور و حقیر مخلوقات کو شامل کریں۔ دوسرا اعمال نامہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا اور وہ ہے بندوں کا آپس میں ظلم کرنا (یعنی حقوق العباد کی خلاف ورزی) یہاں تک کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے سے بدلہ لے لیں اور تیسرا اعمال نامہ جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرے گا وہ بندوں کا خدا اور اپنے درمیان ظلم کرنا (یعنی حقوق اللہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں کمی کرنا) یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے عذاب دے چاہے درگزر کر جائے"

(روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ۔ باب الظلم۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(ii) اللہ تعالیٰ کے عدل کی یہ ایک خوبی ہے کہ وہ حقوق العباد (بندوں کے باہمی معاملات برائے خلاف ورزی حقوق مابین) کے معاملے میں اپنی طرف سے مغفرت اور بخشش نہیں کرے گا یہ ہی حقیقت حضرت عباس بن مرداس ؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں عرفہ کی شام اپنی امت کی بخشش اور مغفرت کی دعا کی اور پھر فرمایا کہ "حق تعالیٰ نے میری دعا قبول کی لیکن حکم کیا ہے کہ بندوں کے حقوق کے سوا میں سب کچھ بخشش دوں گا یعنی ظالم سے

مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا"

(باب وقوف العرفات۔ کتاب المناسک۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہر طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مہاجرین حبش سے کہنے لگے ہمیں ہمارے بھائی نجاشی کے وطن کی باتیں سناؤ۔ مہاجرین حبش میں سے ایک نوجوان نے قصہ سنایا کہ ایک روز ہم حبشہ کے ایک بازار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حبش کے درویشوں کی ایک عورت اپنے سر پر پانی کا مٹکا اٹھائے گزری اتنے میں سامنے سے آنے والے ایک نوجوان نے (جان بوجھ کر) اس بڑھیا کو دھکا دیا وہ گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا بھی ٹوٹ گیا اس نے اس نوجوان سے کہا "اے مکار تجھے عنقریب بدلہ ملے گا جب اللہ تعالیٰ انصاف کی کرسی پر بیٹھے گا اور اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کو جمع کرے گا اور ہاتھوں اور پاؤں نے جو کام کئے ہیں وہ خود بیان کریں گے اس وقت روز قیامت پروردگار کے پاس تیرا اور میرا فیصلہ ہو گا"

یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بالکل سچ کہا اس درویش بڑھیا نے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کبھی اس امت کو پاک نہ کرے گا جس میں کمزور افراد کو زور آور سے انصاف نہ دلایا جائے"

(روایت حضرت جابرؓ۔ کتاب الفتن۔ ابن ماجہ)

(iv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"کبھی پاک نہ ہو گی وہ امت جس میں ناتواں اپنا حق تکلیف کے ساتھ حاصل کرے"

(روایت حضرت ابو سعید خدریؓ کتاب الصدقات۔ ابن ماجہ)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ تم مفلس کس کو جانتے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کی مفلس وہ ہے جو درہم اور متاع خانگی نہ رکھتا

ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میری امت میں مفلس وہ ہے جو روز قیامت اپنے اعمال میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج لے کر حاضر ہو لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی یا کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا یا کسی کو مارا ہوگا یا کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا۔ چنانچہ اسے حاضر کیا جائے گا اور مظلوم کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر بدلہ پورا ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہو گئیں تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے اور ظالم جہنم واصل ہوگا۔ (ایسا شخص مفلس ہے)

(وایت حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ما بن انسؓ۔ باب صفت القیامت۔ ترمذی)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"تم حق داروں کے حقوق ادا کرو قیامت کے دن اہل حقوق کو ان کے حقوق ادا کیئے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (روایت حضرت ابو ہریرہؓ کتاب البر الصلہ و الادب۔ مسلم اور باب صفت القیامت۔ ترمذی)

(vii) حضرت امام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا جب کبھی کوئی مقدمہ آپؐ کے سامنے لایا گیا درگزر کرتے اور معاف کر دیتے (اگر معاملہ آپؐ کی ذات شریف کا ہوتا) البتہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتوں کا مرتکب ہونے پر خاص اللہ تعالیٰ کی حدود سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے بدلہ لیتے تھے۔ (کتاب المحاربین۔ بخاری)

(viii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"دنیا میں جب کوئی ناحق خون ہوتا ہے تو آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) پر اس خون ناحق کا کچھ وبال پڑتا ہے کیونکہ خون ناحق کی بنا سب سے پہلے اسی نے ڈالی تھی۔ (روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کتاب الجنائز۔ بخاری + کتاب الاعتصام۔

بخاری + کتاب القسامت و المحاربین و القصاص والدیات۔ مسلم + کتاب الدیات۔ ابن ماجہ)

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال مار لے تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تب حق تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہو گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ کتاب الشہادت۔ بخاری)

(x) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص کسی مسلمان کا حق مار لیوے، قسم کھا کر (یا جھوٹی گواہی دے کر)، اللہ نے اس کے لئے جہنم واجب کر دی اور جنت اس کے لئے حرام کر دی گئی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم کیا ذرا سی ہی چیز ہو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہے ایک ٹہنی ہو پیلو کی اور ایسا تین بار فرمایا۔

(روایت حضرت ابو امامہؓ کتاب الایمان۔ بخاری + کتاب لاقضیتہ۔ موطا امام مالکؒ + کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی حق تلفی کتنا بڑا گناہ ہے اور وہ بھی جھوٹی قسم کھا کر، اس کی سزا یہ ہی ہے کہ جنت سے محرومی نصیب ہو، یہ حق ذرا سا ہو یا زیادہ ہو ہر حال میں سزا یہ ہی ہو گی کیونکہ اس مخلوق خدا کے حق کو نہ پہچانا اور خدا کے نام کی بھی عظمت نہ کی۔

(xi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال بنی اسرائیل پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "جب بنی اسرائیل گناہوں میں ملوث ہوئے تو ان کے عالموں نے انہیں منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے پھر ان کے عالم بھی ان کے ساتھ ان برائیوں میں شریک اور ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو گئے چنانچہ اللہ نے ان گمراہوں کے دل آپس میں ملا دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے ان پر لعنت کی اور یہ سزا اس امر کی تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد شرعی سے بڑھ

جاتے تھے پھر (جوش جذبات سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ بیٹھے اور فرمایا
قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ہرگز نجات نہ پاؤ گے جب
تک ظالم کو ظلم سے نہ روکو اور مظلوم کا حق اس سے نہ دلواؤ۔

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی عبیدہؓ۔ کتاب تفسیر القرآن۔
ترمذی)

(xii) نسائی کی کتاب النکاح کے باب قسط فی الدصدقۃ میں حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت
ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مہروں کے تعین اور ادائیگی میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا
ہے"

(xiii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس نے کسی ایسے مال میں دعویٰ کیا جو اس کا نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں
ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"

(روایت حضرت ابوذرؓ۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

(xiv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص قسم کھائے اور وہ جانتا ہو کہ قسم جھوٹی ہے اور کسی مسلمان بھائی کا حق
اس وجہ سے مار لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے
سخت ناراض ہو گا (روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ کتاب الاحکام ابن
ماجہ)

(xv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (یعنی محنت
ختم ہوتے ہی اس کی اجرت دے دو۔ یہ درست نہیں کہ اجرت دینے میں حیلہ بہانہ
کرے اور کام لے لیوے)

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب الرہون۔ ابن ماجہ + باب المساقات و

المزارعة۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(xvi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"والدین پر اولاد کا حق ہے کہ وہ ان میں عدل و انصاف کریں اور اولاد پر والدین کا حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ بھلائی کریں"

(روایت نعمان بن بشیرؓ۔ کتاب الایمان والنذر۔ سنن ابو داؤد)

(xvii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

" (اپنے معاشرے کے) عزت داروں کی خطائیں معاف کردو لیکن حدود میں کوئی رعایت نہیں ہو سکتی"

(روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ۔ کتاب الحدود۔ مشکوٰۃ المصابیح)

ان احادیث کے بیان کے ساتھ ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باب میں قرآن حکیم اور ارشادات نبویؐ کے بیان کو مکمل کرتے ہیں۔

باب نمبر ۱۲

قرآن حکیم کے احکام برائے عدل و انصاف

عدل و قسط کے ہر پہلو کی وضاحت پچھلے ابواب میں کی جا چکی ہے اور اب اس مرحلے پر ہم عدل و قسط کے احکام کی تفصیل دیں گے جو قرآن حکیم میں جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔

— عدل و انصاف کرنے کا حکم۔ (۲۵:۵۷) (۴:۵۸ـ۱۰۵ـ۱۳۵) (۵:۸ ـ ۴۲) (۷:۲۹) (۱۱:۸۵) (۵:۴۵) (۱۷:۳۵) (۲۶:۱۸۲) (۳۸:۲۶) (۴۹:۹) (۴۲:۱۵) (۱۶:۹۰) (۵۵:۷ تا ۹)

— عدل و انصاف میں تعصب کو داخل نہ کرو (۴:۱۰۵ تا ۱۰۸) (۶:۱۵۲) (۵:۲ـ۸) (۴:۱۳۵)

— دشمن تک سے عدل کرو (۵:۸)

— اللہ تعالیٰ کی صفت، عدل و انصاف۔ (۴۰:۲۰) (۷:۱۷۰) (۱۰:۴۷) (۳۸:۲۸) (۴۵:۲۱) (۷۶:۳۱)

— عدل و انصاف کرنا فضائل اخلاق میں سے ہے۔ (۵۷:۲۵) (۴:۵۸) (۳:۲۳)

— اسلامی ریاست بین الاقوامی عدل کی علمبردار ہوتی ہے اور اسلامی ریاست کا اصل مقصد ظلم و جور ختم کر کے عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔ (۵۷:۲۵) (۹:۴ـ۷) (۱۶:۹۱ـ۹۲ـ۹۴) (۱۷:۳۴) (۴:۹۰) (۵:۸)

(۸.۴۲ _ ۵۸) (۲:۱۹۴) (۶۰:۵۵) (۶۰:۸) (۲۸:۸۳) (۶۱:۸) (۴۲:۴۰ تا ۴۲) (۱۲۶:۱۶) (۵:۴۳ تا ۴۵ _ ۴۷ _ ۴۸) (۲۴:۴۹ تا ۵۱) حکام یعنی اولوالامر حضرات کو عدل کرنے کا حکم (۱۶:۹۰) (۴:۵۸) (۳:۱۵۲) (۵:۸) اور یہ عدل مطلق کی سچی ترازو ہے کہ بغض و محبت اس کی ڈنڈی کو ٹیڑھا نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوستی و دشمنی اس کے قواعد و ضوابط بدل سکتے ہیں اور یہ عدل افراد کی باہمی قرابت یا قوموں کی باہمی عناد بغض کسی بھی چیز سے متاثر نہیں ہوتا۔

—— اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان (۱۶:۹۰) عدل و انصاف قائم کرنے کی نصیحت اور اہل ایمان کو چاہئے کہ عدل و انصاف کے قوام بنیں یعنی اس کو مضبوطی سے قائم کرنے والے بنیں اور ہر قسم کے حقوق پورے انصاف کے ساتھ ادا کریں خواہ معاملہ انسان کی اپنی ذات کا ہو، ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کا ہو، فریقین امیر ہوں یا غریب ہوں ان سب کا خیر خواہ اللہ تعالیٰ تمہارے سے زیادہ ہے اس لئے خواہشات نفس کی پیروی نہ کرو اگر پیچ دار باتیں کر کے حق سے اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔ (۵:۸) (۴:۵۸ _ ۱۳۵) (۶:۱۵۲)

—— اللہ تعالیٰ کا قانون عدل انسان کے لئے سختی نہیں چاہتا بلکہ بے جا پابندیوں سے آزاد کرواتا ہے۔ (۲:۱۸۵) (۲:۱۸۷) (۲:۲۲۰) (۴:۲۸) (۵:۶ _ ۷)

—— جو لوگ اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے نظام عدل و قسط کو درہم برہم کرنے اور فساد پھیلانے کے درپے رہتے ہیں ان کی سزا (۵:۳۳ + ۳۴)

—— احسان و عدل پر مبنی آیت جس کو خلیفتہ المومنین عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعتہ المبارک میں شامل فرمایا (۱۶:۹۰)

— قوانین بالقسط اور شہادت للہ کے حکم (۴:۱۳۵)

— قوانین للہ اور شہادت بالقسط کا حکم (۵:۸)

— اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا تاکہ اس کے مطابق عدل و انصاف کا فیصلہ کیا جائے اور خائن اور جھگڑالو لوگوں کی طرف داری نہ کی جائے (۴:۱۰۵)

— قصاص کا قانون عدل و انصاف کی مکمل مثال ہے قصاص کا مطلب ہے ایسی سزا جس میں مجرم سے بعینہ وہی معاملہ کیا جائے جس کا وہ مرتکب ہوا ہے قصاص کی دو صورتیں ہیں ایک جانی اور دوسری مالی جس کو دیت اور خوں بہا بھی کہا جاتا ہے۔

قصاص کا قانون تو جان کے بدلے جان کا ہی ہے لیکن اولیائے مقتول اور پس ماندگان کی بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قانون میں اتنی رعایت خود ہی دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو جان کے بدلے جان کی بجائے خوں بہا یا دیت لے سکتے ہیں یعنی جان قصاص ہی سے مالی قصاص نکلا ہے۔ (۲:۱۷۸۔۱۷۹)

— متحارب فریقین میں عدل کے ساتھ صلح کروا دو اور ان میں قسط قائم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قسط و انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۴۹:۹)

— خرچ کرنے میں بھی عدل یعنی اعتدال کا دامن نہ چھوڑو (۲۵:۶۷)

— سورۃ النساء میں معاشرتی احکام دینے سے پہلے آیت اول میں اس حقیقت کا اعلان کہ تمام انسانوں کو ایک جان سے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا ایک جیسے ہی حقوق رکھتے ہیں لہٰذا اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ یاد رکھو کہ وہ ہر دم تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ (۴:۱)

— اسلام میں نظام معیشت اس عادلانہ اصول پر مبنی ہے کہ دولت امراء ہی میں

گردش نہ کرتی رہے بلکہ اسے غرباء تک پہنچنے کی راہ بھی ملے (۵۹:۷)
ان احکام عدل کو بار بار دیکھیں اور آپ کا دل یہ کہے گا کہ ان ہی اصولوں پر عمل کرنے سے دنیا کے کسی بھی حصے پر ایک فلاحی اور عادلانہ معاشرہ کسی بھی وقت قائم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ احکام اس رب و خالق کے ہیں جو تمام انسانوں کا خالق و رب ہے وہ کسی فرد، گروہ، قوم، رنگ اور نسل کا خدا نہیں کہ اس ہی کی بھلائی اس کے پیش نظر ہو۔ وہ خدائے حکیم ہے اس لئے اس کے احکام میں حکمت ہے، وہ خدائے خبیر و علیم ہے اس لئے اپنی مخلوق انسان کی ضروریات وہ سب سے زیادہ جانتا ہے وہی خدائے غفور و رحیم ہے اس لئے اس نے امتحان و آزمائش میں ڈالے گئے انسان کو درست اور صحیح راستہ تلاش کرنے کی تکلیف بھی نہیں دی بلکہ انسانوں کی فلاح کے لئے ضروری اصول خود ہی بتا دیئے ہیں۔
ان اصولوں پر عمل کر کے عرب کی اجڈ معاشرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال میں بدل کر رکھ دیا اب بھی جب انسانوں کی عقل انہیں اس فلاحی اصولوں پر کاربند کرے گی ان اصولوں پر عمل کرنے کے مثبت نتائج ضرور ظاہر ہوں گے اور انسانوں کی دنیوی زندگی جنت ارضی کا نمونہ بن جائے گی جس میں انسان کے لئے دنیوی فلاح کے ساتھ ساتھ اخروی فلاح بھی مضمر ہے۔

باب ۱۴

قرآن کے احکام برائے عہد و پیمان

(i) عہد و پیمان

— کھلا عہد و پیمان ہو یا بطور امانت کوئی ذمہ داری ہر حال میں ایفا کرو۔ (۳:۷۶)

— عہد شکنی حرام ہے۔ (۲:۲۷ـ۴۰ـ۱۰۰)

— قسم اور عہد کو رقم لے کر بیچنے والوں کی مذمت (۳:۷۶ـ۱۸۶) (۱۶:۹۵)

— (عہد شکنی) خیانت کرنے والوں کی مذمت (۳:۷۶ـ۱۶۱ـ۱۸۶) (۴:۱۰۵ تا ۱۰۹) (۸:۲۷ـ۲۸) (۱۲:۵۲) (۵:۵۸ـ۷۱) (۲۲:۳۸) (۸:۵۶ـ۵۸) (۶۶:۱۰) (۴۰:۱۹) (۲:۱۸۷) (۲۳:۸) (۷۰:۳۲) (۱۶:۹۵)

— اپنے ضمیر سے خیانت کرنے والوں کی مذمت (۴:۱۰۷ تا ۱۱۰)

— ایک دوسرے پر بھروسہ کرو اور فریقین اللہ سے ڈرتے ہوئے امانتیں ادا کریں۔ (۲:۲۸۳)

— جھوٹی قسمیں کھانے والے کی مذمت (۶۸:۱۰) (۵:۱۰۷) (۴:۶۲ـ۶۳) (۵۸:۱۴ـ۱۶ـ۱۸)

— امانت میں خیانت یہودیوں کی خصلت و بیماری ہے۔ (۳:۷۵)

— عدل و قسط کی بنیاد قانون، معاہدہ اور معروف پر ہوتی ہے اس میں کافر و مسلم، دشمن و دوست کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ قانون اور معاہدے کا جو تقاضا ہو گا وہ پورا کرنا ہو گا۔ اس سے بحث نہیں کہ معاملہ دوست کا ہے یا دشمن کا ہے بہرحال فیصلہ بے لاگ ہونا چاہیے (۶۰:۸۔۹)

— عہد کو پورا کرنا اصل نیکی اور مطلوب خداوندی فعل ہے۔ (۲:۱۷۷)

— اللہ نے اپنی نعمت انسان پر تمام کی۔ وہ انسان کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرے۔ (۶:۵۔۷)

— اللہ سے عہد توڑنے والوں کا قرآن حکیم نے بار بار بنی اسرائیل کی مثال دے کر انجام بد بیان کیا ہے۔ (۲:۴۰ تا ۴۴۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۸۳۔ ۸۴) (۳:۸۱) (۴:۱۵۴۔ ۱۵۵) (۵:۱۲ تا ۱۴۔ ۲۶۔ ۷۰۔ ۷۲) (۱۳:۲۵)

— اللہ کا عہد قائم رکھنے والوں کا نیک انجام (۱۳:۱۹ تا ۲۵)

— اگر کوئی شخص بھروسہ کر کے کوئی معاملہ اور عہد کرے تو اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤ (۲:۲۸۳)

— معاہدہ توڑنے والے کو خدا کا خوف کرنا چاہیے۔ اگر کسی سے معاہدے کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو اس کا معاہدہ علانیہ اس کی طرف پھینک دو کیونکہ اللہ تعالیٰ خائنوں پسند نہیں کرتا (۸:۵۵ تا ۵۸) (۹:۱)

— غیر مسلم معاہد قوم کے خلاف تم ان کے اہل ایمان کی مدد بھی نہیں کر سکتے (۸:۷۲)

— معاہدات میں عدل کرنے والے یعنی انہیں پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے متقی قرار دیا ہے۔ (۹:۴۔۷)

— عہد و پیمان کی پابندی کا حکم۔ (۱۷:۳۴) (۲:۱۷۷) (۳:۷۶)

(۴۰:۲) (۶۱:۲۔۳) (۳۲:۷۰) (۲۳:۸) (۱۵۲:۶۔۱۵۳)
(۱۳:۲۵) (۱۶:۹۱۔۹۵) (۹:۱۱۱) (۵:۱)

—— عہد کی پابندی خدائی صفت ہے کیونکہ حق تعالیٰ خود اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے جو عہد نہ توڑتا ہو۔ (۲:۸۰) (۳: ۸ ۔ ۱۹۳) (۴:۲۲) (۱۰:۴۔ ۵۵)
(۱۱:۴۵) (۱۳:۳۱) (۱۷:۵) (۶:۱۳۵) (۱۸:۲۱ ۔ ۹۸)
(۳۰:۶ ۔ ۹۰) (۳۱:۹ ۔ ۳۳) (۳۵:۵) (۳۹:۲۰ ۔ ۷۴)
(۴۰:۵۵ ۔ ۷۰) (۴۵:۳۲) (۴۶:۱۶ ۔ ۱۷) (۵۱:۵)
(۷۳:۱۸) (۷:۴۴) (۲۸:۶۱)

—— نیک اور متقین وہی ہیں جو اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ (۲:۱۷۷)
(۳:۷۵) اور (۹:۱۱۱) (۵:۷) (۵۷:۸)

—— اپنے عہد پورے کروان کے بارے میں باز پرس ہوتی ہے۔ (۱۷:۳۴)
(۳۳:۱۵)

—— بین الاقوامی عہد و پیمان کی عزت و احترام کے احکام خداوندی۔ (۴:۸۹ تا ۹۲) (۸:۷۲) (۹:۳۔۴۔۷) (۸:۵۸) (۹:۱۲۔۱۳)

—— شیطان کے وعدے نرا دھوکہ ہیں۔ (۴:۱۲۰) (۱۷:۶۴)
(۲:۲۶۸)

باب ۱۴

قرآن حکیم کے احکام برائے شہادت و گواہی

اس باب میں ہمیں قرآن حکیم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام کا ایک خزینہ بہم پہنچایا گیا ہے کیونکہ شہادت و گواہی کے اصولوں کے درست ہونے ہی پر عدل کی تمام عمارت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ آپ کے قوانین عدل کتنے ہی اچھے ہوں آپ کے قاضی حضرات کتنے ہی خدا خوفی سے سرشار ہوں لیکن اگر قوانین شہادت و گواہی کمزور ہیں تو عدل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ہی لئے قرآن حکیم اور ارشادات نبوی سے ہمیں بھرپور راہ نمائی لینی ہو گی۔

اس باب میں اولین اصول یہ ہے کہ جتنی کسی جرم کی سزا سخت ہے اتنا ہی اس کے لئے معیار شہادت و گواہی سخت اور کڑا ہے اور اسلام کے اخلاقی نظام کی طرح گواہ اور شہادت دینے والے کے لئے اولین چیز خوف خدا اور خوف آخرت ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

ان بنیادی باتوں کی تشریح کے بعد ہم قرآن حکیم کے ارشادات کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں : ۔

——— گواہ کو مت ستاؤ (۲:۲۸۲) خواہ وہ کاتب دستاویز ہونے کی حیثیت میں گواہ ہو یا دستاویز کی تحریر کا گواہ ہو یا محض واقعہ کے ظہور کا گواہ ہو

——— اللہ کے لئے انصاف و قسط کی گواہی دو (۴:۱۳۵) (۵:۸) (۲:۶۵)

——— شہادت چھپانے والے کا دل گناہ آلود ہوتا ہے۔ (۲:۱۴۰ ـ ۲۸۳)

(۱۳۵:۴) (۸:۵)

— کتمان شہادت یعنی شہادت چھپانے کی مذمت (۲:۱۴۰ — ۲۸۲ — ۲۸۳) (۲۵:۷۲) (۲۴:۴) (۷۰:۳۳)

(i) معاہدات کی دستاویز لکھواؤ (ii) دستاویز قرض لینے والا لکھوائے (iii) دستاویز پر گواہیاں رکھواؤ (iv) گواہوں کے فرائض (v) دستاویز لکھنے کی حکمت البتہ نقد خرید و فروخت پر دستاویز لکھوانا ضروری نہیں ہے۔ (vi) کاتب کو چاہئے کہ انصاف سے لکھے۔ (vii) گواہی چھپانا گناہ ہے۔ (۲:۲۸۲)

— اللہ کے بندے سچی گواہی دیتے اور جھوٹی گواہی سے بچتے ہیں (۲۵:۷۲) (۷۰:۳۳)

— عدل و انصاف کا صحیح دار و مدار گواہوں اور شاہدوں پر ہوتا ہے۔ اگر وہ گواہی میں رد و بدل کریں گے تو بار گناہ قانون نافذ کرنے والوں پر نہیں ہو گا۔ گواہی بدلنے اور چھپانے والوں کو تنبیہ کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور سنتا ہے۔ (۲:۱۸۱)

— اہل ایمان کو اللہ کے لئے عدل کی شہادت کا علمبردار بننے کا حکم کیونکہ عدل و انصاف تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (۵:۸) (۵:۴۲)

— شہادت للہ (۴:۱۳۵) اور شہادت بالقسط (۵:۸) کا حکم

— لین دین کے معاملات کو ضبط تحریر میں لاؤ یہ اللہ کے نزدیک اقسط ہے اور کاتب کو چاہئے کہ عدل کے ساتھ دستاویز لکھوائے۔ (۲:۲۸۲)

— مومن جھوٹی شہادت نہیں دیتا ہے۔ (۲۵:۷۲)

— شہادت بالحق اور شفاعت ایک ہی چیز ہے۔ (۴۳:۸۶)

— اہل ایمان اپنی شہادت پر قائم رہتے ہیں۔ (۷۰:۳۳)

— لین دین زبانی نہ کرو بلکہ تحریری اور دستاویزی صورت دے لو کہ یہ طریقہ زیادہ مبنی بر انصاف بھی ہے کیونکہ اس سے شہادت قائم ہونے میں سہولت

ہوتی ہے اور شکوک و شبہات میں پڑنے کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں۔ (۲:۲۸۲)

—— اہل ایمان کو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنا چاہئے اور انصاف کی گواہی دینی چاہئے۔ ہر حال میں عدل کرنے اور کسی گروہ کی دشمنی میں بھی انصاف کی گواہی پر قائم رہنا چاہئے۔ یہ ہی تقویٰ ہے۔ اللہ سے ڈرنا چاہئے جو ہمارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔ (۵:۸)

—— اہل ایمان کبھی بھی جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔ (۲۵:۷۲)

—— بے ثبوت تہمت لگانے والوں کو سخت سزا دو۔ وہ فاسق ہیں اور آئندہ کے لئے وہ ساقط شہادت ہو گئے۔ (۲۴:۴) (۲۴:۲۳)

—— اپنے جرم کی تہمت دوسرے پر لگانا جرم ہے۔ (۴:۲۰_۱۱۲)

—— بہتان تراشی سنگین ترین جرم ہے۔ (۴:۱۲۱) (۲۴:۴ _ ۵) (۳۳:۵۸) (۲۴:۶ تا ۸) (۶۰:۱۲) (۴:۲۰)

—— ان لوگوں کی مذمت جو رشتوں اور تعلقات کی بنا پر مقدمات عدالتوں میں لے جاتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ فریق مخالف کے پاس اپنی ملکیت اور حق کی دستاویزی یا دیگر کوئی شہادت نہیں ہے اگرچہ ملکیت اسی کی ہے۔ (۲:۱۸۸) ہماری سوسائٹی میں حق شفع کے مقدمات بھی عام طور پر اسی Category میں آتے ہیں۔

اس باب کو ہم تاریخ اسلام میں سے ایک واقعہ سے مزین کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فہم دین میں جو مقام رکھتے تھے اس کے معترف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اسلام میں گواہی و شہادت کا حقیقی فلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پیش آنے والے ایک واقعہ سے ہو جاتی ہے۔ جس میں آپ نے گواہ کی صفات اس خوبی سے بیان کی ہیں کہ دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ "ایک بار ایک مدعی کسی شخص کو گواہ کی حیثیت سے لایا کہ میرے متعلق آپ اس سے گواہی لے لیں۔ حضرت عمرؓ نے گواہ سے

پوچھا کہ تم اس شخص (مدعی) کو کس طرح جانتے ہو۔ اس نے کہا میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے پھر کہا کہ کتنی اچھی طرح جانتے ہو۔ گواہ نے پھر یہ ہی کہا کہ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا۔ ٹھہر جاؤ میں سوال کرتا ہوں تم جواب دیتے جاؤ۔

آپ نے پہلا سوال کیا کہ کیا تم اس کے پڑوسی ہو کہ تم اس کی اندر باہر کی زندگی کو اچھی طرح جانتے ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے دوسرا سوال کیا کہ تم نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے کہ سفر میں ہر ایک کی اخلاقی حالت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے؟ اس نے پھر نفی میں جواب دیا تو آپ نے تیسرا سوال کیا کہ کیا تم اس شخص کے کاروبار میں شریک رہے ہو کہ درہم و دینار کا معاملہ انسان کی اخلاقی حالت کو واضح کر دیتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ معاملات میں کتنا متقی ہے اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا تو آپ نے چوتھا سوال کیا۔ کیا تمہارا اور اس کا سمدھیانے کا رشتہ ہے (بیٹی اس کے خاندان میں بیاہی ہو یا اس کے خاندان کی بیٹی بیاہ کر لائے ہو) اس شخص نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا تو حضرت عمر فاروق ؓ ہنس پڑے اور کہا "اچھا میں سمجھ گیا" تم نے اس کو مسجد میں دیکھا ہو گا کبھی قرآن پڑھتے، کبھی نماز میں سر جھکاتے اور کبھی اٹھاتے" اس شخص نے کہا ہاں بالکل ایسا ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا "چلے جاؤ تم اس شخص کو خاک جانتے ہو" اور مدعی کو حکم دیا کہ "جاؤ اور کوئی اور گواہ لاؤ جو تمہیں واقعی جانتا ہو"

سبحان اللہ کیا معاملہ فہمی ہے کیا واقعی ایک پڑوسی یا ایک سفر شریک، یا ایک کاروبار شریک، یا ایک سمدھی سے بہتر کسی شخص کو کوئی اور جان سکتا ہے۔ کسی شخص کی نمازیں، روزے اور دین داری اس کی شخصی اچھائی اور برائی کو واضح نہیں کر سکتی۔ بلکہ بدقسمتی سے موجودہ معاشرے میں یہ ظاہری دین داری ایک بہت بڑا دھوکہ بنا کر رکھ دی گئی ہے۔

اسلام کے قوانین اس حق تعالیٰ نے بنائے ہوئے ہیں جو انسان کا خالق ہے۔ وہ انسان کی فطری کمزوریوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ انسان کی فطری حب ذات اور خود غرضی کو جانتا ہے۔ وہ انسان کے لئے بہترین اخلاقی قدروں کو مقرر کرتا ہے اور اسلامی نظام زندگی کی

ترتیب اور قانون سازی اور ہدایات و تلقین میں ان فطری عوامل کو مدنظر رکھتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے نظام عدل کو ایک ہمہ گیر اور وسیع انسانی نظام عدل کی شکل دی ہے اور اسے تین نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔

(۱) خوف خدا اور خوف آخرت

(۲) فرد کے اندر رکھا ہوا نفس لوامہ یعنی ضمیر

(۳) سماج کی خارجی زندگی میں قانونی ضابطہ بندی

—— اور پھر ان تینوں عوامل کو باہم نہایت مربوط کیا گیا ہے۔

اولاً خوف خدا اور خوف آخرت کی تلقین کو آپ قرآن حکیم میں ہر حکم کے بعد ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ خوف کہ ہمارا ہر فعل اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ وہ سب جانتا اور سنتا ہے اور یہ کہ ایک روز اپنے ہر فعل کا جواب دینا ہے۔ ہر ہر مرحلے پر انسان کے معاشرتی رویے کو اعتدال سے دائیں بائیں نہیں ہونے دیتا۔ ثانیاً قرآن حکیم نے تہذیب نفس کا بہت اہتمام کیا ہے۔ اخلاقی اصول بھی بیان کئے ہیں اور فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق الگ الگ واضح کر دیئے ہیں، اخلاق انبیاء بھی جگہ جگہ بیان کیا ہے اور قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی تعریف بھی یہ ہی بیان کرتا ہے "بے شک آپ بلند ترین اخلاقی معیار کے حامل ہیں" (۶۸: ۴)، اس کے علاوہ قرآن میں جگہ جگہ بیان کردہ صفات المومنین دراصل انسانی اخلاق کی صحیح خطوط پر تعمیر کے لئے ایک خدائی منشور اور کورس ہے۔

ثالثاً انسانی ضمیر کی تربیت کا مکمل انتظام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر بھرپور اعتماد کیا ہے اور اپنے تمام قوانین و حدود کے نفاذ پر محافظ و نگران بنایا ہے اور اکثر قوانین کا نفاذ تو بالکل ضمیر انسانی کے حوالے کر دیا ہے مثلاً گواہی اور شہادت اقامت حدود کی بنیاد ہے اور ثبوت حقوق میں اس کا فیصلہ آخری ہوتا ہے اور اس گواہی و شہادت کا انحصار فرد کے ضمیر اور اس عقیدہ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی ضمیر کا نگران ہے۔ (۲۴: ۴۔ ۶ تا ۹)

جن امور میں دستاویز لکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں بھی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۲:۲۸۲۔283)

اسلام نے انسانی ضمیر پر ان حدود کے سلسلے میں بھی اعتماد کیا ہے جن میں سزا کوڑوں اور سنگساری تک پہنچ جاتی ہے بالکل یہ ہی حال مالی حقوق کا بھی ہے کہ وہ گواہی و شہادت کے ذریعے ہی حتمی طور پر قائم کرتے ہیں۔

اسی ذمہ داری میں قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی حیثیت کو انسانی ضمیر کا نگران بنایا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ہمہ دم نگرانی یاد کروائی ہے۔ (۷:۵۸) (۵۰:۱۶ تا ۱۸) (۲۰:۷) دوسری طرف اسلام نے انسان کو حسن عمل پر حسن انجام کی بشارت دی ہے۔ دنیا میں بھی (۲:۲۰۰۔۲۰۱) ۳:۱۴۷۔۱۴۸) (۴:۶۶ تا ۶۸) (۱۶:۹۷) (۱۲:۵۶۔۵۷) (۴۷:۵۔۶) (۷۱:۱۰ تا ۱۴) اور آخرت میں بھی (۶:۱۶۰) (۲۸:۳۵۔۳۶) (۷۶:۲۲) (۱۶:۳۲) (۵۶:۲۴) (۹:۱۱۱ ۔ ۱۱۲) (۳۲:۱۷) (۳۵:۳۰) (۴۲:۲۳) (۵۵:۶۰) (۵۷:۲۰) (۵۸:۲۸) (۷۰:۳۲ تا ۳۵) اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ انسان کو اپنے ہر ہر دنیوی عمل کے نتیجے کو بھگتنا ہو گا اور وہ جزا و سزا سے بچ نہیں سکتا۔ (۲۱:۴۷) (۹۹:۱ تا ۸) (۵۱:۱ تا ۹) (۵۲:۱ تا ۷) (۷۵:۱ تا ۴) (۷۷:۱ تا ۷) (۷۹:۱ تا ۹) (۸۴:۱۶ تا ۱۹) (۸۶:۱۱ تا ۱۳)

اس کے بعد اسلام کے ہمہ گیر نظام عدل میں سے تیسرا عنصر سامنے آتا ہے یعنی قانونی ضابطہ بندی۔ کسی بھی مکمل ضابطہ حیات کی طرح اسلام نے بھی اپنی قوت نافذہ کے اظہار کے لئے سزا اور تعزیر کا ایک نظام دیا ہے تاکہ جو افراد معاشرہ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہوں انہیں سزا کے ذریعے نہ صرف آئندہ ایسی حرکت کے ارتکاب سے باز رکھا جائے بلکہ انہیں دوسرے افراد معاشرہ کے لئے عبرت کا نشان بنایا جائے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں اس لئے ہم اسلام کے سزا و تعزیر کے نظام کے چند بنیادی اصول بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کا ہماری اس کتاب کے موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔

(i) جس قدر سزا اور حد سخت ہے اتنا ہی معیار شہادت سخت رکھا گیا ہے۔

(ii) سزا میں رحم کا جذبہ بے جا نہیں رکھا گیا بلکہ مجرم کو پورے معاشرے کا مجرم تصور کر کے سخت ترین سزا دی جاتی ہے تاکہ وہ آئندہ کے لئے باز آئے اور دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

(iii) یہ سزائیں ایک پورے نظام زندگی کا حصہ ہیں اس لئے جب تک اسلام ایک مکمل نظم زندگی کے طور پر کسی معاشرے میں رائج نہ ہو محض سزاؤں اور تعزیر کے ذریعے برائی کو روکنا اسلام کا مدعا نہیں ہے۔ ایک غیر منصفانہ معاشی نظام میں چور کو چوری کی سزا دے ڈالنا اسلام کی ہرگز منشا نہیں ہے اس کی مزید تفصیلات ہم انشاءاللہ اپنی آنے والی کتاب "اسلام کی معاشی تعلیمات" میں عرض کریں گے۔

(iv) کوئی شخص کسی دوسرے کی جگہ جواب دہ نہ ہو گا۔

اس طرح واضح فرمودات کے ذریعے اسلام نے ضمیر انسانی کی نگرانی کے لئے خشیت و تقویٰ کے پہرے دار بٹھائے ہیں اور پھر اس تربیت یافتہ ضمیر انسانی پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے اور پورے اسلامی نظام عدل کی بنیاد اسی ڈھانچے پر اٹھائی گئی ہے اور جب کبھی بھی یہ نظام عدل رائج ہوا ہے یا اس کا کوئی ایک جزو ہی نافذ کیا گیا ہے اس کے انتہائی مثبت اثرات ہر ایک نے دیکھے ہیں۔ مغرب نے ہمارے یہ اصول دیکھ دیکھ کر اپنے قوانین بنا ڈالے آج یہ Magna Carta یا League of Nations یا UNO کے چارٹر ہمیں سنائے جاتے ہیں۔ ذرا حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھ دیکھیں۔ اس سے بڑھ کر انسانی حقوق و فرائض کا مکمل بیان کہاں ملے گا۔ ہم مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنی قابل فخر تاریخ اور اپنے اکابر کی عظمتوں کا ڈنکا ضرور سب سے بڑھ کر پیٹتے ہیں لیکن ان کے احکام اور اصولوں پر عمل کرنے کا کام اور نتیجتاً ان کے عملی فوائد سے بہرہ مند ہونے کی سعادت ہم نے مغرب اور غیروں کے لئے چھوڑ رکھی ہے۔ ہماری اپنی چیز ان کے گھر سے ملمع چڑھ کر آ جائے تو ہمیں بہت پسند ہے لیکن ہم خود نہیں جانتے اور نہ ہمیں کوئی سمجھانے والا ہے کہ یہ چیزیں تو خود تمہاری اپنی ہیں، تمہارے

رب نے اپنے پیارے رسولؐ کے ذریعے ان چیزوں کو بھیجا، ان کو روبعمل لانے کا طریقہ عملی طور پر سمجھا دیں۔ تم ان پر عمل کرو تو دنیوی واخروی فلاح تمہارے قدم چومے گی۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو صحیح مسلم بننے کی توفیق دے تاکہ وہ ان جواہر سے فائدہ اٹھا سکیں۔ صرف اسلام اور مسلم کا ظاہری لیبل کیونکر فائدہ دے سکتا ہے۔ کاش یہ بات اہل ایمان اور ان کے موجودہ اکابر کو کوئی سمجھا سکے۔

اب ہم گواہی اور شہادت کے باب میں اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ایک ایک کر کے نقل کریں گے۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین افراد کا دشمن ہوں گا۔ ایک وہ جس نے میرا نام لے کر عہد کیا اور پھر فریب کیا دوسرا جس نے آزاد فرد کو فروخت کر کے اس کا مول کھایا اور تیسرا وہ جس نے مزدور سے مزدوری پوری لی اور پھر اجرت پوری نہ دی"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الاجارۃ۔ بخاری)

(ii) حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے کے دروازے پر کچھ جھگڑا سنا، آپؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا "دیکھو میں ایک انسان ہوں میرے پاس فریقین آتے ہیں اور اپنی دلیلیں بیان کرتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فریق اپنی دلیل عمدگی سے پیش کرتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں لیکن اگر کسی نے اس طرح کا حق بغیر حق کے لے لیا تو وہ دوزخ کا ایک ٹکڑا لے رہا ہے خواہ لے لے اور خواہ چھوڑ دے"

(روایت حضرت ام سلمہؓ۔ کتاب المظالم۔ کتاب الحیل۔ کتاب الاحکام۔ بخاری)

اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بھی فرمایا کہ

(ا) اگر جھوٹی گواہیوں سے حقوق قائم ہو بھی گئے تو عنداللہ وہ ہرگز قائم نہ ہوں گے۔" (بخاری)

(ب) "حاکم کے فیصلے سے امر واقعی غلط نہ ہو گا۔" (مسلم)

اس نہایت اہم نقطہ کے لئے "باب ترغیب فی القضا بالحق۔ کتاب الاقضیہ۔ موطا امام ما ؒ + روایات حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ابواب الاحکام۔ ترمذی + روایت حضرت ام سلمہؓ کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی + کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد + روایات حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ سے بھی رجوع کریں۔

امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے اپنی کتاب سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کردہ ایک حدیث سے حکم نکالا ہے کہ حاکم اگر ناحق فیصلہ کرے تو اسے رد کیا جا سکتا ہے۔ بنی جذیمہ کے معاملے میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ (امیر لشکر اور حاکم) کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے موقف کو بالکل درست قرار دیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے حکم کو ظالمانہ اور صریح غلط قرار دیا۔ (کتاب آداب القضاۃ۔ نسائی)

(iii) جھوٹی گواہی و شہادت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

(I) "جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے۔"

(روایت حضرت عبیداللہ بن ابی بکر بن انس۔ کتاب الشہادت۔ بخاری + روایت خریم بن فاتکؓ۔ کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد + روایت حضرت انس بن ما ؓ حضرت ابی بکرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ باب تفسیر القرآن۔ ترمذی)

(II) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک، ماں باپ کی نافرمانی کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی گواہی کو تیسرا گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ راوی حضرت ابی بکرہؓ کا

بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، سیدھے ہو گئے اور بار بار تاکیداً یہ ہی فرماتے تھے۔ حضرت ابی بکرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ کر جائیں (تاکہ آپ کو رنج نہ ہو کہ لوگ اس گناہ میں ملوث ہوتے ہیں)

(روایت حضرت ابی بکرہؓ۔ کتاب الایمان۔ مسلم + ابواب البروالصلۃ اور ابواب الشہادت۔ ترمذی + روایت حضرت انس بن ما ؓ۔ ابواب البیوع۔ ترمذی)

(III) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی برابر کی گئی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی فاجتنبو الرجس من الاثان واجتنبو قول الزور۔ (الحج ۲۲ : ۳۰)

(روایت ایمن بن خریم۔ ابواب الشہادت۔ ترمذی)

(IV) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو صبح کی نماز پڑھائی۔ فارغ ہونے کے بعد فرمایا جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے اور یہ ہی بات تین بار دہرائی (کیونکہ شرک بھی ایک جھوٹی گواہی ہی ہے کہ جو ما نہیں ہے اس کو ما بنا لینا اور ما حقیقی کو چھوڑ دینا)

(روایت خریم بن فاتک اسدی۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

(V) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جھوٹے لوگوں کے پاؤں نہیں سرکیں گے (قیامت کے دن) یہاں تک کہ اللہ ان پر دوزخ واجب کر دے گا"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

(VI) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"سب لوگوں میں بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان کے قریب کے زمانے کا ہو گا، پھر ایک ایسا وقت آ جائے گا کہ لوگ قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور کبھی گواہی

سے پہلے قسم دیں گے (یعنی انہیں گواہی میں بالکل باک نہ ہو گا اور نہ ہی قسم کھانے میں کوئی خوف ہو گا۔ جلدی کے مارے کبھی قسم پہلے کھائیں گے اور کبھی گواہی پہلے دیں گے اور ذمہ داری کا بالکل احساس نہیں کریں گے)

(روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ کتاب الشہادت۔ بخاری + کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

یہ ہی بات کہ گواہی کتنی بڑی ذمہ داری ہے حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت کردہ ایک اور حدیث میں یوں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ امیرالمومنین نے ہمیں جابیہ (شام) میں ایک خطبہ سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اسی طرح کھڑے ہوئے جس طرح میں تمہارے درمیان کھڑا ہوا ہوں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خیال رکھو میرے اصحاب کا اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں پھر اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک آدمی گواہی دے گا حالانکہ کوئی اس سے گواہی نہ چاہے گا، قسم کھائے گا جب کہ کوئی اس سے قسم نہ چاہے گا۔ (کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

یعنی لوگ گواہی کو غیر اہم چیز سمجھیں گے اور احتیاط نہ کریں گے اور بن بلائے گواہی کے لئے حاضر ہو جائیں گے جیسے جھوٹے گواہ ہر عدالت اور ہر کچہری میں حاضر رہتے ہیں حالانکہ گواہی دینا بہت ذمہ داری اور مواخذے کا کام ہے اور بڑی احتیاط لازم ہے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جو غلط ہو۔ ان احادیث سے یہ مطلب نکلا کہ بن بلائے گواہی میں جلدی کرنا بری بات ہے البتہ اگر کسی کا حق ڈوبتا ہو یا کوئی بے گناہ مارا جاتا ہو یا بے قصور کسی کی عزت اور مال تباہ ہونے کا خطرہ ہو اور کسی شخص کو حقیقت کا علم ہو جس کی گواہی سے حق کھل جائے اور مظلوم آفت سے محفوظ رہ جائے تو ایسا گواہ اس حکم سے بالکل مستثنیٰ ہے اور ایسے حال میں بن بلائے بھی جا کر گواہی دینا اور مسلمان بھائی کو بچانا لازم، ضروری اور بڑے اجر و ثواب کا موجب ہو گا۔

(۷) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"میں تمہیں بتلاؤں کہ بہترین گواہ وہ ہے جو اپنی گواہی پوچھنے سے پہلے خود ہی ادا کرے"

(روایت حضرت زید بن خالد جہنی۔ کتاب الاقضیہ۔ مسلم + باب الشہادت اور کتاب الاقضیہ۔ موطا امام مالکؒ + ابواب الشہادت۔ ترمذی + ابواب الاحکام۔ ابن ماجہ + باب فی الشہادت۔ سنن ابی داؤد)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"میرے صحابہ کرامؓ کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو موٹا ہونا چاہیں گے اور دوست رکھیں گے موٹا ہونے کو (یعنی دنیوی لذتوں اور شہوتوں میں جانوروں کی طرح ملوث ہو کر موٹے ہو جائیں گے) اور ادائے شہادت کے لئے موجود ہوں گے قبل درخواست کے (یعنی صاحب حق یا عدالت کی درخواست کے بغیر ہی جھوٹی گواہی کے لئے حاضر ہوں گے جب کہ اوپر (v) میں جس گواہ کی تعریف کی گئی ہے وہ ایسا گواہ ہے جو صاحب حق کی درخواست پر یا کسی صاحب حق کا حق مرتے دیکھ کر فوراً حاضر ہو جائیں اور کوئی حیلہ اور بہانہ نہ کریں)

(روایت حضرت عمران بن حصینؓ۔ ابواب الشہادت۔ ترمذی)

(vii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"خائن مرد اور عورت، حد پانے والے مرد اور عورت، عداوت رکھنے والے، سابقہ جھوٹی گواہی کے مجرم، گھر کے تابع (ملازم) و تابع افراد اور تہمت زدہ جو کہ اپنے جھوٹ کے لئے مشہور ہو، ان سب افراد کی گواہی اور شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

(روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ۔ ابواب الشہادت۔ ترمذی اور روایت حضرت عمرو بن شعیب۔ کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد)

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"خائن کی گواہی جائز نہیں مرد ہو یا عورت اور نہ اس کی گواہی جس کو اسلام کی حالت میں حد

پڑی ہو، اور نہ ہی اپنے بھائی سے کینہ و عداوت رکھنے والے کی گواہی قابل قبول ہے (اس حدیث کو احمد اور ابو داؤد اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے بلکہ جو گھر میں پلتا ہو اس کی شہادت گھر والوں کے فائدے کے لئے جائز نہیں ہے۔ ترمذی، دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایسا ہی روایت کیا ہے کہ "وہ سین وہ قرابت" یعنی متہم اور قرابت والے کی شہادت درست نہیں ہے۔

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

(viii) جن جھگڑوں میں فریقین کے پاس کوئی گواہ نہ ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یوں قسم کھلواتے تھے "میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔" آپؐ مدعا علیہ کو قسم کھلواتے تھے۔

(روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ کتاب القضا۔ سنن ابو داؤد)

اسی طرح کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے"

(روایت حضرت عمرو بن شعیب۔ باب الاقضیتہ والشہادت۔ مشکوۃ المصابیح)

(ix) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ کی حدوں کو قائم کرو (خواہ تمہاری حیثیت بطور قاضی ہو یا تمہاری حیثیت گواہ کی ہو) ہر شخص پر خواہ وہ ناتے والا ہو نزدیک یا دور کا اور دیکھو اللہ کے کام میں کسی کی ملامت، خوف یا عیب جوئی کا ہرگز خیال نہ کرو"

(روایت حضرت عبادہ بن صامتؓ۔ کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

باب نمبر ۱۵

اسلام کا بے مثال عدل اجتماعی

اسلام نے اجتماعی عدل کے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں، مال داروں کی دولت میں فقراء کا حق متعین کیا ہے اور حکومت و اقتصاد کے لئے عدل و انصاف پر مبنی نظام دیا ہے اور فطری حقوق عدل و انصاف کی پامالی کرنے والوں کو ظالم اور آخرت میں عذاب شدید کی وعید کی ہے۔ عدل اجتماعی کا اسلامی تصور تین بنیادی اصولوں پر قائم کیا گیا ہے۔

(۱) مطلق و مکمل آزادی ضمیر (۲) کامل انسانی مساوات (۳) ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل یا اجتماعی کفالت

(I) آزادی ضمیر

اسلام ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری سے آزاد کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ (۱۱۲:۱ تا ۴) (۳:۶۴) اس لئے اسلام نے معیار عزت دولت کو نہیں بلکہ تعلق باللہ اور تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ (۴۹:۱۳) (۱۸:۴۶) (۳۴:۳۵ تا ۳۷)

(II) انسانی مساوات

ظہور اسلام سے پہلے نسل انسانی میں عورت و مرد، امیر و غریب، آقا و غلام اور رنگ و نسل کے مختلف امتیازات قائم تھے۔ اسلام نے نہ صرف مساوات کا درس دیا بلکہ مبداء و معاد، جزا و سزا، موت و زندگی، فرائض و حقوق اور قانون کی نظر میں ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور عزت و فضیلت اور امتیاز کے لئے صرف تقویٰ اور پاکبازی کو

معیار قرار دیا۔ سب سے پہلے کسی انسان کے اللہ کی اولاد ہونے اور اس رشتے سے عزت و مقام اعلیٰ حاصل ہونے کی سخت تردید کی (۱۱۰:۱ تا ۴) (۱۹:۸۸ تا ۹۵) پھر شاہانہ خون یا رنگ و نسل کو بھی وجہ تکریم قرار نہیں دیا (۷۷:۲۰ تا ۲۳) (۸۶:۵ تا ۷) (۳۵:۱۱) (۲۳:۱۲ تا ۱۴) پھر ایک قوم اور نسل کی دوسری پر فضیلت کی تردید کی (۴:۱) (۴۹:۱۳) معاشرے میں امیر و غریب کو برابر کرنے کے لئے احکام دیئے گئے (۲۴:۳۲) غرض عورت اور مرد کو بھی برابر قرار دیا گیا اور روحانی، دینی، عمل کی جزا و سزا میں ہر لحاظ سے عورت اور مرد کو برابر قرار دیا (۴:۲۴) (۱۶:۹۷) (۳:۱۹۵) اور عورت مرد کو حق ملکیت کی اہلیت، کسب مال اور مالی تفرقات کے لحاظ سے بھی برابر قرار دیا (۵:۷_۳۲) اور اس طرح عورت کو "نفس واحدہ" کا نصف بنا دیا (۷:۱۸۹) اسلام نے تمام نوع انسانی کو شرف بخشا اور واجب الاحترام قرار دیا (۱۷:۷۰) (۴۹:۱۱_۱۲) (۲۴:۲۷_۲۸)

اسلام نے انفرادی حقوق، انفرادی ذمہ داریوں اور اجتماعی ذمہ داریوں کے درمیان ایک متوازن نظام عدل قائم کیا ہے (۱) پہلے فرد کو تلقین کی ہے کہ وہ بے لگام خواہشات سے اپنے نفس کو باز رکھے (۷۹:۳۷ تا ۴۱) (۹۱:۷ تا ۱۰) (۲:۱۹۵) لیکن دوسری طرف ضروریات زندگی بہم پہنچانے کے لئے سعی و کوشش کرنے کا حکم بھی دیا ہے (۲۸:۷۷) (۷:۳۱) یہ انفرادی ذمہ داری مکمل ہے اور کوئی شخص کسی کا بار گناہ یا ثمر ثواب نہیں پا سکتا۔ (۷۴:۳۸) (۵۳:۳۶ تا ۴۱) (۲:۲۸۶) (۳۹:۴۱) (۴:۱۱۱) (۷:۳۱)

(۲) فرد اور اس کے خاندان کے درمیان اجتماعی عدل اور تکافل باہمی کا نظام قائم کیا ہے۔ (۱۷:۲۳_۲۴) (۳۱:۱۴) (۳۳:۶) (۲:۲۳۳) جس سے افراد خاندان باہمی کفالت کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔ (۲:۱۸۰) (۴:۱۱_۱۲_۱۷۶) + (۱۸:۷۷_۸۲) مصالح عامہ کی رعایت کو ملحوظ رکھنے کی ذمہ داری سے سماج کا کوئی فرد بھی بری نہیں ہے۔ سماج کا ہر فرد نگران بھی ہے اور زیر نگرانی بھی ہے۔ (۵:۲)

(۱۰۴:۳) (۷۱:۹) (۱۰۵:۵) (۱۶:۱۷) (۷۸:۵_۷۹) اور اسی اصول کے تحت "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ (۱۶۵:۷) (۲:۵) (۷۱:۹) (۱۱۲:۹) (۱۵۷:۷) (۴۱:۲۲) اور (۱۷:۳۱) حتیٰ کہ مساکین کو کھانا کھلانے اور اس کی ترغیب نہ دینے والوں کو کافر اور کاذب دین اسلام کا سزاوار قرار دیا (۶۹:۳۰ تا ۳۷) (۱۰۷:۱ تا ۳) اور چاہے معاشرے کے زیادہ تر لوگ بدی، برائی اور فسق سے بچے ہوئے ہوں لیکن ان کا گمراہ افراد کے فسق کو برداشت کرتے رہنا خود ان کے تباہ و برباد کئے جانے کے لئے کافی ہے۔ (۲۵:۸) اور یہ معاشرے کے تمام افراد کا اجتماعی فریضہ قرار دیا گیا کہ وہ کمزوروں کی حفاظت اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کا التزام اور تنگ و دو کریں۔ (۸۹:۱۷ تا ۳۰) غرض اسلامی نظام حیات کے تمام پہلو ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں کیونکہ دین اسلام ایک اکائی ہے، عبادت و معاملات، حکومتی پالیسی اور مالی پالیسی، قوانین و ہدایات، عقیدہ و عمل اور دنیا و آخرت سب کے سب ایک مکمل جامع نظام زندگی کے باہم مربوط و منظم اجزا ہیں اور اسلام کا نظام حکومت (۱) حکام کی طرف سے عدل (۲) عوام کی طرف سے اطاعت اور (۳) حاکم و محکوم کے مابین شوریٰ پر مبنی ہے اور ہمارے نفس مضمون کی مناسبت سے حکام کی جانب سے عدل کا حکم مندرجہ ذیل آیات قرآن میں نہایت واضح دیا گیا ہے۔ (۹۰:۱۶) (۵۸:۴) (۱۵۲:۳) (۸:۵) اور یہ عدل مطلق کی سچی ترازو ہے کہ بغض و محبت اس کی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوستی و دشمنی اس کے قواعد و ضوابط بدل سکتے ہیں اور نہ ہی یہ عدل افراد معاشرہ کی باہمی رقابت یا اقوام کی باہمی بغض و عناد جیسی کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے۔

اسلام میں عدل اجتماعی اور اس کے ذرائع

(۱) ہر انسان کے بنیادی حق "حفاظت مال" حق کی ضمانت کے لئے باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (۱۸۸:۲) (۲۹:۴_

(۱۶۰) (۶۲:۵)

— ماپ تول میں کمی کے ذریعے دوسروں کا مال نہ کھاؤ (۸۵:۷) (۱۵۲:۶) (۸۳:۱ تا ۳) (۳۵:۱۷)

— جوئے، پانسے، لاٹری اور قرعہ اندازی کے ذریعے ایک دوسرے کا مال کھانے کی حرمت۔ (۲۱۸:۲) (۵:۳۔ ۹۰۔ ۹۱)

— چوری کی حرمت اور سزا (۳۸:۵)

— قرض خواہ اور مقروض سب کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم (۲:۲۷۸۔ ۲۸۰ تا ۲۸۴)

— سود کھانے کی مذمت (۲:۲۷۵ تا ۲۷۹) (۳:۱۳۰) (۴:۱۶۱) (۳۹:۳۰)

— تجارت تک باہمی رضامندی سے کرو (۲:۲۷۵) (۵:۶۲) (۲:۲۸۲) (۴:۲۹)

(۲) امانت میں خیانت نہ کرو (۴:۵۸) (۸:۲۷) (۴:۱۰۵) (۴:۱۰۷) (۲۳:۸) (۷۰:۳۲)

— عہد و پیمان کی پابندی کرو (۱۶:۹۱۔ ۹۰) (۱۳:۲۵) (۶:۱۵۲۔ ۱۵۳) (۳:۷۶) (۲:۴۰) (۲:۱۷۷) (۹:۱۱۱) (۳:۷۶) (۲:۶۱۔ ۳) (۲۳:۸) (۷۰:۳۲) (۱۷:۳۴)

(۳) معاشرتی ملاپ میں احترام انسانی کو قائم رکھو۔ (۴:۸۶) (۳۱:۱۸) (۲۴:۶۱) (۲۴:۲۷) (۳۳:۵۳) سب سے حسن سلوک کرو (۴:۳۶) (۷۶:۹)

(۴) ظلم کے مقابلے میں ناروا زیادتی نہ کرو، نیکی اور خدا ترسی کے کام میں سب سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ (۵:۲)

(۵) آداب محفل (۵۸:۱۱) (۵۸:۷ ـ ۹ ـ ۱۰ ـ ۱۲) (۲۹:۲۹) (۵۳:۳۲)

(۶) حسد نہ کرو (۵۴:۴)

(۷) غیبت نہ کرو (۴۹:۱۲)

(۸) تمسخر و طعن کا رویہ نہ اپناؤ (۴۹:۱۱) (۵۸:۳۳) (۸۵:۱۰)

(۹) اصلاح احوال کرو (۲:۴۴) (۶۱:۲) (۶:۶۶) (۵۳:۳۲)

(۱۰) افواہیں نہ پھیلاؤ (۵۸:۹) (۴:۸۳) (۴۹:۶) (۲۴:۱۲) (۲۴:۱۵) (۱۷:۳۶) (۴۹:۱۲) کہ اس سے معاشرے میں بے اطمینانی پھیلتی ہے۔

(۱۱) افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات بھائیوں کی طرح استوار کرو (۴۹:۹ ـ ۱۰) (۹:۷۱)

— اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو واجب التکریم بنایا ہے اور بزرگی دی ہے (۱۷:۷۰)

— ہر انسان کا درجہ اس کے اعمال کے مطابق ہے اور سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۴۹:۱۳) (۴۶:۱۹)

— کوئی انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بنا ڈالے خواہ اسے نبوت، کتاب اور حکم ہی عطا ہوا ہو وہ تو بندوں کو ربانی (اللہ کے بندے) ہی بنائے گا۔ (۳:۷۹)

— (۲:۱۹۹) میں عبادات تک میں مساوات انسانی کا بے مثال درس دیا گیا ہے۔

— ہر ایک سے عدل و انصاف کرو حتی کہ دشمن سے بھی عدل کرو اور اللہ کا وہ مثالی انصاف یاد رکھو جب روز آخرت ہر انسان کو اس کے دنیوی عمل کے مطابق بلا کم و کاست بدلہ دے گا۔ (۳۹:۷۰) (۱۶:۹۰) (۵:۸)

— اگر کوئی معاشی طور پر کمزور ہے تو اس کا حق ہے کہ حکومت اس کی مدد کرے۔

یہ اس پر مہربانی نہیں بلکہ اس کا حق ہے۔ (۷۰:۲۴-۲۵) (۱۹.۵۱) کیونکہ اسلامی حکومت زمین پر اللہ تعالیٰ کی قائم مقام ہے اور خلیفہ ہے اس لئے جو جو ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہیں مثلاً رزق دینا، عدل و انصاف، اجرا اعمال وغیرہ، یہ تمام ذمہ داریاں بحیثیت قائم مقام اور خلیفہ اسلامی حکومت کی بھی ہیں تمام افراد کی بنیادی ضروریات مہیا کرنا اسلامی حکومت کا فرض منصبی ہے۔ (۶:۱۴۰-۱۴۱) (۱۷:۳۱) (۶:۱۵۱)

— حفاظت جان عوام کو فراہم کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ (۶:۱۵۱)

— حفاظت مال (۴:۲۹) + شخصی ملکیت مال کا تصور (۲:۲۶۷) (۶:۱۴۱)

— حفاظت سکونت (۲:۸۵) کوئی شخص بغیر اجازت حدود سکونت میں قدم نہ رکھے (۲۴:۲۷-۲۸)

— حفاظت عزت و ناموس کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لئے کیسے کیسے سخت قوانین بنائے ہیں اور کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو سخت ترین تنبیہات کی ہیں۔ (۲۴:۲ تا ۱۵)

— مذہبی آزادی کا حق۔ (۲:۲۵۶) (۱۸:۲۹) (۱۶:۱۲۵)

— مظلوم کو فریاد اور دادرسی کا حق۔ (۴:۱۴۸)

— اہل ایمان پر ان کی حکومت ان کے مشورے سے اور ان کے لئے ہو گی (۳:۱۵۸) (۴۲:۳۸) (۲۷:۳۲)

— دعوت الی الخیر (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) اسلامی حکومت کا فرض منصبی ہو گی۔ (۳:۱۰۴-۱۱۰)

ہر شخص خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہو گا نہ کوئی دوسرا اس کی ذمہ داری میں شریک ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کے اعمال کے نتائج سے اسے بچا سکتا ہے۔ (۵:۱۰۵) (۶۰:۳) (۶:۱۶۰ تا ۱۶۴) (۱۷:۷) (۳۵:۱۸) (۳۱:۳۳) (۳۰:۴۴-۴۵) (۴:۱۰۹) (۶:۷۰) (۱۰:۳) (۳۰:۱۳) (۴۳:۸۶) (۵۳:۲۶)

(۴۸.۷۴) (۱۹.۸۲) (۱۰:۸۶) ان آیات میں انسان پر فرداً فرداً اس کے تمام اچھے اور برے اعمال کی کامل ذمہ داری ڈال گئی ہے اور ہر اس امید کی جڑ کاٹ دی گئی ہے کہ کوئی دوسرا ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر دے گا اور نہ ہی کوئی ایسی توقع رہنے دی گئی ہے کہ کوئی سفارش اور شفاعت حساب کتاب اور جزا و سزا سے بچا سکے گی یہ کہ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی خوشی کو ہمارے اعمال کی مقبولیت اور نامقبولیت میں کوئی دخل ہے۔ چنانچہ بدکاری کے نتیجہ بد اور نیکو کاری کے انجام نیک میں بجائے خود ہر شخص منفرد ہے لہٰذا دنیا برتنے میں ہر شخص کو پوری ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے کہ اپنے ہر عمل کا میں خود ذمہ دار ہوں، برائی کا وبال بھی تنہا میرے اوپر ہے اور بھلائی و نیکی کا اجر و ثواب اور پھل بھی کرنے والا خود ہی پائے گا کوئی اس کا یہ حق چھین نہیں سکتا۔

عدل اجتماعی قائم ہونے سے اسلامی معاشرے میں برکتوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے اور دنیا میں انفرادی و اجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب حاصل ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ انسان ان کو مقصود بالذات بنائے۔ چنانچہ

(۱) معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ (۲:۱۱۲)

(۲) خوشحالی بھی باحسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہے۔ (۷:۹۶) (۱۶:۹۷) (۲۸:۵۷۔۷۷) (۴۳:۳۲) (۷۲:۱۶۔۱۷) (۷۱:۱۰ تا ۱۳) (۵:۶۶) (۷:۹۰) (۱۱:۳) (۱۰:۶۳۔۶۴) (۱۶:۳۰)

(۳) حکومت و فرمانروائی اور غلبہ و سربلندی اہل ایمان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ (۵:۵۶) (۲۱:۱۰۵) (۷:۱۲۸) (۷:۱۲۸) (۲۴:۵۵) (۱۱:۵)

(۴) سب سے بڑھ کر یہ کہ مومن کا اصل مطلوب و مقصود یعنی اللہ کی رضا و خوشنودی فی الدنیا اور نجات فی الآخرت اسے مل جاتی ہے۔ (۷:۴۳) (۱۹:۶۳) (۳۹:۷۴) (۴۳:۷۲) (۸۹:۲۷ تا ۳۰)

نسل انسانی میں کسی بھی بنیاد پر کسی تفریق و تقسیم کو اسلام تسلیم نہیں کرتا وہ انسان اور

انسان میں کسی مادی اور حسی فرق کو تسلیم نہیں کرتا اور سب انسانوں کو ایک ہی اصل سے قرار دیتا ہے۔ (۴:۱) (۶:۹۸) اور گروہوں اور جماعتوں کے اختلاف کو عذاب الٰہی قرار دیتا ہے۔ (۶:۶۵) فرعون لعین کے جرائم میں سے ایک جرم یہ تھا کہ اس نے اپنی رعایا کو قبطی اور غیر قبطی میں بانٹ رکھا تھا (۲۸:۴) قرآن مجید کی دعوت بھی تمام انسانوں کے لئے ہے۔ (۲۵:۲۲) (۹:۲۸)۔ کوئی خاص گروہ، طبقہ یا قوم نہیں بلکہ ہر ایک انسان اس کا مخاطب ہوتا ہے۔

دور رسالت میں قرآن مجید نے اوس و خزرج کی قبائلی حمیت جاگ اٹھنے پر، انصار و مہاجرین میں منافقین کی سازش کے تحت اختلافات پیدا کرنے کی کوشش پر اور خاندانی عصبیت و مفاخر کی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر قریش مکہ کی مذمت کی ہے۔ (۳:۱۰۰) (۶۳:۷-۸) (۴۳:۳۱)

اسلام مادی و انسانی رشتوں کو بنائے قومیت قرار نہیں دیتا بلکہ ایمان کے تعلق کو سب پر ترجیح دیتا ہے اور بوقت ضرورت ان سب کو قربان کرنے کا حکم دیتا ہے (۶۰:۴) (۹:۲۳) (۶۴:۱۴) (۴۸:۲۹) وہ دین کی خاطر وطن چھوڑ دینے کو کہتا ہے اور جو وطن کی محبت کو قربان کر کے دین کی خاطر ہجرت نہ کرے اسے منافق قرار دیتا ہے۔ (۴:۸۹)

وہ تمام اہل ایمان کو ملا کر بھائی بھائی بنا دیتا ہے چاہے ان میں خون، وطن، زبان اور رنگ کا کوئی بھی رشتہ نہ موجود ہو (۳:۱۰۳) (۹:۱۱) (۴۸:۲۹)

وہ اہل ایمان کے اجتماع کو اپنی نعمت و احسان قرار دیتا ہے خواہ وہ میدان جہاد میں ہو یا نماز و عبادت میں ہو (۴:۶۱) (۹:۶۲) (۳:۱۰۳)

وہ اہل ایمان کو ایک گروہ قرار دیتا ہے خواہ وہ کسی رنگ و نسل سے ہوں اور اہل کفر کو دوسرا گروہ قرار دیتا ہے اور ان گروہوں کو بالترتیب حزب اللہ اور حزب الشیطان قرار دیتا ہے۔ (۶۰:۴) (۹:۱۱۴) (۳:۱۱۰) (۵۸:۱۹-۲۲) (۲:۱۴۳)

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کا خطبہ نقل کرنا مناسب

ترین ہو گا:۔

"سن رکھو کہ امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اب تمہارے خون، تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لئے ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج کا دن تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں حرام ہے ـــــ سنو ایک نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بن جائے اور تمہیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کا حکم ماننا اور اطاعت کرنا ـــــ مجھے اس بات کا ہرگز خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے مگر اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آپس میں لڑنے نہ لگ جاؤ اگر ایسا کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے جیسے تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔"

(عدل اجتماعی کے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے انفاق فی سبیل اللہ" کا نظریہ قرآن کا بنیادی نظریہ ہے کہ ہر انسان دوسرے کمزور انسان کا خیال کرے۔ اسلام جان و مال اور اولاد ہر چیز کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ (۹:۱۱۱) (۳:۹۲) وہ تنگ دل انسانوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (9.59) (۱۶:۹۴) (۲۲:۲۴) (۸:۷۶) وہ توالیوں کو پسند کرتا ہے جو تنگ دستی اور غربت و افلاس میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر بہترین مال اللہ کی راہ میں انفاق کریں! (۲:۲۶۷) (۳:۱۳۳ ـ ۱۳۴) (۲:۲۶۴) (۹:۳۴ ـ ۵۳ ـ ۵۴ ـ ۶۷ ـ ۹۸) (۴۷:۳۷ ـ ۳۸) (۹:۶۳) (۴:۵) (۲:۲۱ ـ ۲۷۲ ـ ۲۸۰)

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان کا مال اللہ کی برکت سے بڑھے گا (۲:۲۷۶) (۳:۱۳۰) (۳۰:۳۹) لیکن دوسری طرف قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ انفاق میں بھی حد سے نہ گزرو کہ بعد میں پریشان ہو اور بال بچوں کا پیٹ تک کاٹ ڈالو

(۶۷:۲۵) (۲:۲۱۵) (۱۷:۲۷-۲۹) آیات (۹:۳۴-۳۵-۶۰-۱۰۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مال جمع کیا جائے اور راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے وہ ناپاک ہو جاتا ہے اس کے پاک ہونے کی یہ صورت ہے کہ اس میں سے خدا کا حق نکال کر اس کے بندوں کو دیا جائے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دراصل زکوٰۃ کے ہی سلسلہ کا حکم ہے انفاق کا حکم عام ہے اور زکوٰۃ کا حکم خاص ہے۔

انفاق کے مستحقین کی پوری فہرست قرآن حکیم نے بیان کی ہے۔ (۱۷:۲۶) (۲:۱۷۷) (۵:۳۶) (۷۶:۸ تا ۱۰) (۲:۲۷۳) (۵۱:۱۹) اور زکوٰۃ کے مستحق افراد کی فہرست الگ دی گئی ہے۔ (۹:۶۰) (۲:۲۶۷) (۶:۱۴۱)

زکوٰۃ کا نظام دراصل اسلام کا پیش کردہ Social Security کا نظام ہے کہ آج تم خوشحال ہو تو دوسروں کی مدد کرو کل کو تم مستحق ہو جاؤ گے تو تمہیں یہ فکر ہرگز لاحق نہ ہو کہ میرے بال بچوں کا کیا بنے گا وہ نظام جس میں تم اپنا حصہ ڈالتے رہے ہو تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھے گا۔

نماز کے بعد "زکوٰۃ" اہم ترین رکن اسلام ہے جس کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں۔ ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مومن کا مال اور اس کا نفس پاک ہو جاتا ہے اس ہی لئے زکوٰۃ کا رکن ہر رسول کی شریعت کا جزو رہا ہے۔ (۲۱:۷۳) (۱۹:۵۵) (۷:۱۵۶) (۵:۱۲) (۲:۸۳) (۱۹:۳۱) اور اسی طرح ہماری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریعت میں نماز و زکوٰۃ کے فرائض ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ (۲:۴۳) (۲:۱۷۷) (۵:۵۵-۵۶) (۹:۱۱-۲۱) (۲۲:۴۱) (۴۱:۷)

قرآن میں جگہ جگہ غریب و مفلس اہل ایمان کے ایمان کی قدر و منزلت کو اجاگر کیا گیا ہے حالانکہ منکرین حق ان کے ایمان کو دین حق کی کمزوری قرار دیا کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر مساوات انسانی کا اور کیا درس ہو سکتا ہے۔ (۸۰:۱ تا ۱۶) (۶:۵۲) (۳۴:۳۴) (۱۱:۲۷-۳ تا ۳۱) (۱۸:۲۸) (۲۶:۱۱۱ تا ۱۱۵)

اہل ایمان مخلوق خداوندی میں سب سے بہتر لوگ ہیں ان کے لئے ہی اونچا مرتبہ اور حقیقی عزت ہے (۱۴:۲۴۔۲۵) (۲۰:۷۱۔۷۲) (۷:۳۲) (۹۸:۷۔۸)

عدل و انصاف اللہ کی صفات عالیہ میں سے ہے۔ (۴۰:۲۰) (۷:۱۷۰) (۱۰:۲۷) (۳۸:۲۸) (۴۵:۲۱) (۷۶:۳۱)

عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اسلامی معاشرت کے ان قرآنی اصولوں کی پابندی لازمی ہے جنھیں قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے ان پر عمل کر کے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں ہر طرف مکمل عدل اجتماعی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ (۳:۱۰۳) (۴:۹۳) (۲۴:۲۴) (۳۱:۱۷۔۱۸) (۴۹:۹ تا ۱۲) (۲:۲۳۳) (۱۰۴:۱) (۱۷:۶) (۲:۸۳) (۵۸:۱۱) (۶:۱۵۲) (۴۷:۱۱) (۶:۵۴) (۶۸:۱۰۔۱۱) (۹:۷۱) (۵:۲) (۴:۸۶) (۹:۱۰۳)

اسلامی عادلانہ معاشرے میں شوہر کے فرائض (۴:۱۹) (۴:۱۲۸۔۱۲۹) (۶۴:۱۴)

اسلامی عادلانہ معاشرے میں بیوی کے فرائض (۴:۳۴۔۱۲۸)

اسلامی معاشرے میں بیوہ کے حقوق (۴:۱۹) (۲۴:۳۲)

عورتوں کے فرائض (۳۳:۳۵۔۳۳۔۳۲۔۵۹۔۵۳) (۲۴:۳۰۔۳۱۔۶۰) اور ان فرائض کو پورا کرنے والی خواتین کے لئے اجر عظیم کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ (۳۳:۳۵)

والدین کے حقوق کہ معاشرتی زندگی میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے جس کا اندازہ اس بات سے کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر کیا ہے اور اپنے شکر کی تاکید کے ساتھ ساتھ والدین کا شکر گزار ہونے کی تلقین کی ہے۔ (۲:۲۱۵) (۴۶:۱۵) (۲۹:۸) (۲:۱۷۰) (۵:۱۰۴) (۳۱:۱۴۔۱۵) (۱۷:۲۳۔۲۴)

اولاد کے حقوق (۱۷:۳۱) (۴۶:۱۵) (۶:۶۶) (۱۹:۴ تا ۶۔۲۶)

رشتہ داروں کے حقوق (۴:۱) (۱۷:۲۶) (۱۶:۹۰) (۴۲:۲۳) (۲:۲۱۵) (۴:۸) (۲۴:۲۲) (۴:۳۶) (۲:۱۷۶۔۱۷۷) (۲:۲۲۔۲۲۰)

تیموں کے حقوق (۲:۲۱۵) (۶:۱۵۲) (۴:۲۔۳۔۵۔۶۔۱۰۔۳۶۔۱۲۷)

اہل حاجت یعنی فقراء و مساکین کے حقوق (۹:۹۳) (۶۹:۳۰ تا ۳۷) سورۃ ماعون (۱۰۷) + (۹:۶) (۵۱:۱۹)

پڑوسی، ساتھی، مسافر، مہمان اور غلام و خدمت گار کے حقوق۔ (۴:۳۶۔۸۶)

اہل ایمان پر دوسرے انسانوں کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ کے دین کا مکمل نمونہ بن کر انہیں دکھائیں اور احکام خداوندی ان کے لئے واضح کریں۔ (۲:۱۴۳) (۳:۱۱۰)

(۱) اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معانی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں وہ فکر، عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے اور مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے جو ایک صالح مشترکہ ہدف کو حاصل کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد کرتے ہیں جس کے دائرے میں روحانی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی دائرے آجاتے ہیں اور تمام دائروں کا ایک ہی مشترکہ نصب العین ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی فلاح کا نمونہ بن جائے اور اخروی امتحان کے لئے انسان آزمائش حیات دنیا میں کامیاب ہو جائے۔

(۲) اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام زندگی کو تعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی و مواخاۃ کا نام ہے۔

اسلام اجتماعی عدل کے قیام میں انہیں دو بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے یعنی متوازن باہم مربوط و مکمل وحدت اور افراد و جماعت میں تعاون اور دوست گیری کی اسپرٹ

وجذبہ لیکن اس عدل کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ کرتا ہے وہ انسان کی فطری محبت مال، فطری تنگ دلی کو تماثیل کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ (۶:۱۰۰ تا ۸) (۱۲۸:۴) (۱۰۰:۱۷) اور اسلامی نظام زندگی کی ترتیب اور قانون سازی اور ہدایات و تلقین میں انسان کی اس فطری حب ذات اور خود غرضی کو نظرانداز نہیں کرتا اور کسی بھی انسان پر اس کی استطاعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا ہے لیکن اقتصادی قدروں کے مقابلے میں اخلاقی قدروں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ (۱۳:۴۹) (۱۱:۵۸) (۱۹:۴۶) (۴۶:۱۸)

اسلام عدل اجتماعی کے لئے اوپر سے ٹھونسی گئی معاشی مساوات کا قائل نہیں ہے، مال و دولت کا کسب ایسی صلاحیتوں پر منحصر ہے جو سب کو برابر نہیں ملی ہیں لیکن اسلام یہ شرط عائد کرتا ہے کہ مواقع سب کو یکساں حاصل ہوں کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب رکاوٹ نہ بنے۔ اس نہایت اہم بات کو یوں سمجھئے کہ اسلام نے کچھ اس طرح کا معاشی نظام دیا ہے جو زندگی کی دوڑ میں زبردستی سب کو ایک جگہ سے دوڑ شروع نہیں کرواتا اور نہ ہی دوڑ میں بھاگنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیتا ہے بلکہ ہر شخص کو اس دوڑ میں اپنے پیدائشی حالات کے ساتھ آغاز کرواتا ہے پھر جس میں صلاحیت ہو، اس نے چاہے پیچھے سے دوڑ شروع کی ہو، لیکن اپنی صلاحیت کی بنا پر چاہے تو آگے نکل جائے اور سب کو پیچھے چھوڑ جائے۔ اسلام کی اخلاقیات آگے نکلنے والوں کو یہ تعلیم ضرور دیتی ہیں کہ تمہارا جو بھائی زندگی کی دوڑ میں گر گیا ہے اسے کھڑا ہونے میں مدد دو اسے کچل کر آگے نہ نکل جاؤ۔ اس عدل اجتماعی کی یہ خوبی انسان کے تخیل کردہ کسی اور نظام میں نہیں پائی جاسکتی کیونکہ اسلام کا نظم اجتماعی انسان ہی کے خالق کا تخلیق کردہ ہے جو انسان کی فطری کمزوریاں خوب جانتا ہے۔

اسلام اصلاحی کام کے لئے قانون و تعزیر کا خارجی سہارا ہی نہیں لیتا کہ اس کی اصلاحی کوششیں محض سطحی رہیں بلکہ قلب و ضمیر کی گہرائیوں اور عقل و شعور کو جھنجھوڑتا ہے اور ساتھ ساتھ زندگی کی واقعی صورت سے بھی غفلت نہیں برتتا۔ وہ نہ تو نفس انسانی کی

حقیقت اور اس پر طاری ہونے والے مد و جزر اور قبض و بسط کی مختلف کیفیات کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے کہ ایک طرف بلند پرواز، نیک ارادے اور جذبات عالیہ ہیں تو دوسری طرف پاؤں میں ضرورت کی زنجیر بھی ہے۔ انسان کی پرواز کتنی بھی بلند ہو یہ جان ناتواں کمال مطلق تک پہنچنے سے قاصر ہی رہتی ہے۔ نفس انسانی کی گہرائیوں کی بابت اپنے اتھاہ علم کی راہ نمائی میں اسلام قانون بھی بناتا ہے او ترغیب و تلقین کا فرض بھی انجام دیتا ہے۔ انسانی نفسیات کے اسی علم کی روشنی میں حق تعالیٰ نے حدود وضع کی ہیں اور انہیں نافذ کیا ہے اور اس کے بعد بھی وہ ضمیر انسانی کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ قوانین وضوابط کی حدود تک محدود نہ رہے بلکہ اور بھی جتنا بلند ہو سکے اور جتنا اونچا معیار قائم کر سکتا ہے کر لے۔

اسلام کے پیش نظر چونکہ کامل اجتماعی عدل کا قیام تھا لہٰذا اس نے محض اقتصادی عدل کا محدود نظام ہی اپنا مطمع نظر نہیں رکھا اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ قانونی ذمہ داری ہی اس اجتماعی عدل کا واحد سہارا ہو، اس لئے اسلام نے اپنے نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی نظام عدل کی شکل دی ہے اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے (۱) فرد کے اندر رکھا ہوا ضمیر اور (۲) سماج کی خارجی زندگی میں قانونی ضابطہ بندی اور ان دونوں کو باہم نہایت مربوط رکھا جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ کا ارشاد ہے کہ

"اللہ تعالیٰ صاحب امر کے ذریعے اس سے زیادہ اصلاح و درستگی کر دیتا ہے جتنی قرآن حکیم نے ذریعے کرتا ہے۔"

تہذیب نفس والی بات نہایت اہم ہے جس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال پایا۔ اس تئیس سالہ نبوت کے دور میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱۳) تیرہ سال مکہ میں گزارے۔ مکی زندگی کی آزمائشیں و تکالیف بجائے خود تہذیب اخلاق کا سب سے بڑا کورس (Course) تھا لیکن مکی دور کی قرآنی سورتیں دیکھ لیں ان میں صرف دو باتیں ہی بیان کی گئی ہیں۔

(i) ایمانیات (توحید۔ آخرت۔ رسالت وغیرہ)

(ii) اخلاقیات (حقوق العباد اور ان کی ادائیگی کے حدود و ضوابط)

ان دو دائروں کے اندر اہل ایمان کی تہذیب نفس کرنے کے بعد انہیں مدنی دور میں لایا گیا۔ جہاں پر احکام (وہ بھی تدریجاً) کے ذریعے ایک مکمل اسلامی معاشرے کو وجود میں لایا گیا اسی ہی لئے مدنی سورتیں احکامی سورتیں ہیں جن کی ایک ایک آیت میں کئی کئی احکام دیئے گئے ہیں۔ کسی بھی کامیاب تحریک احیائے اسلامی نظام کو اسی طرح مکی اور مدنی طرح کے ادوار سے گزرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ ہی فطری طریقہ ہے جس سے تمام انبیائے کرام گزرے ہیں۔

اسی ہی لئے قرآن حکیم نے تہذیب نفس کا بہت اہتمام کیا ہے چنانچہ قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی تعریف یہ ہی کی ہے کہ "واقعی آپ بلند ترین اخلاق کے حامل ہیں" (۶۸:۴)

انسانی ضمیر کی تربیت کا مکمل انتظام کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر بھرپور اعتماد کیا ہے اور تمام قوانین کے نفاذ پر محافظ و نگران بنایا ہے اور اکثر قوانین کے نفاذ کو بالکل ضمیر انسانی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ مثلاً گواہی و شہادت اقامت حدود کی بنیاد ہے اور ثبوت حقوق میں اس کا فیصلہ آخری ہوتا ہے اور اس گواہی و شہادت کا انحصار فرد کے ضمیر اور اس عقیدہ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی ضمیر کا نگران ہے۔ (۲۴:۴۔۶ تا ۹)

جن امور میں دستاویز لکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں بھی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۲۸۲:۲۔۲۸۳)

غرض اسلام نے انسانی ضمیر پر ان حدود کے سلسلے میں بھی اعتماد کیا ہے جن میں سزا کوڑوں اور سنگساری تک بھی پہنچ جاتی ہے یہی حال مالی حقوق کا ہے۔

اس ذمہ داری میں قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی خشیت کو انسانی ضمیر کا نگران بنایا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ہمہ دم نگرانی یاد کروائی ہے (۵۸:۷) (۵۰:۱۶ تا ۱۸) (۲۰:۷)

اور دوسری طرف اسلام نے انسان کو حسن عمل پر حسن انجام کی بشارت دی ہے اور اچھی طرح واضح کیا ہے کہ اسے اپنے ہر عمل کا دنیا و آخرت میں جواب دینا ہو گا اور وہ اپنے اعمال کے نتائج اور جزا و سزا سے بچ نہیں سکتا (۲۱: ۴۷) (۹۹: ۱ تا ۸)

اس طرح صاف صاف فرمودات کے ذریعے اسلام نے ضمیر انسانی کی نگرانی کے لئے خشیت و تقویٰ کے پہرے دار بٹھا دیئے ہیں۔ احتجاجی عدل کے قیام میں اسلام ایک طرف تو تربیت یافتہ انسانی ضمیر پر اعتماد کرتا ہے اور دوسری طرف ان دونوں بنیادوں پر ایک ہم آہنگ، متوازن اور موزوں انسانی سماج تشکیل دیتا ہے۔

زکوٰۃ و صدقہ (انفاق فی سبیل اللہ) معاشی عدل میں ایک اہم ترین رول ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ضروریات ایمان کی اہم ترین ضرورت ہے۔ (۲۳: ۱ تا ۴) (۲۷: ۱ تا ۳) (۲۴: ۵۶) (۱۹: ۵۴ ـ ۵۵) زکوٰۃ نہ دینا مشرکین اور منکرین آخرت کا رویہ ہے۔ (۴۱: ۶ ـ ۷) زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو زمین میں غلبہ و اقتدار کی بشارت دی گئی ہے۔ (۲۲: ۴۰ ـ ۴۱) اور حضرت ابراہیمؑ کی بابت فرمایا گیا کہ انہوں نے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کی تلقین کی (۲۱: ۷۲ ـ ۷۳)

زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بخاری اور نسائی میں یوں ہے کہ "جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے مال کی زکوٰۃ نہ دی تو روز قیامت اس کے مال کو اللہ تعالیٰ ایک خوفناک سانپ کی شکل میں ظاہر کرے گا جس کے سر پر بال کھڑے ہوں گے اور جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، یہ سانپ اس کے گلے کا ہار بنایا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑے پکڑ کر کہے گا "میں ہوں تیرا مال میں ہوں تیرا خزانہ""

زکوٰۃ تو ایک شرعی فریضہ ہے جو ایک متعین شرح کے مطابق مال پر عائد ہوتا ہے لیکن اس کے پہلو بہ پہلو صدقہ جس کی کوئی حد اور شرح مقرر نہیں ہے اور اسے انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اصل میں اسلام باہمی عدل اور رحم و کرم کو انسانی بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اسے محض اخوت دینی ہی کا پابند نہیں بناتا (۶۰: ۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے" زمین پر بسنے والوں پر رحم کرو تو جو آسمان والا ہے وہ تمہارے پر رحم کرے گا"

پس یہ معلوم ہوا کہ اسلام میں رحم و کرم ایمان کی بنیاد اور اس کی پہچان ہے اور ضمیر کے دین سے متاثر ہونے اور دینی روح اس میں سرایت کر جانے کی دلیل ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کو صدقہ اور حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے اور انفاق مال کو اس کے لئے محبوب بنایا گیا ہے اسلام چاہتا ہے کہ طلب اجر کی نیت سے، دنیا میں خوشنودی رب اور اچھے بدلے کی خاطر انفاق کیا جائے اور اسی کے ذریعے آخرت میں ثواب کا حصول اور اللہ کے عذاب سے نجات چاہی جائے (۲۲:۳۴-۳۵) (۳۲:۱۵ تا ۱۷) (۹:۵۹) (۷۶:۷ تا ۲۲)

صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف قرض قرار دیتا ہے جس کی واپسی کی ضمانت دی گئی ہے۔ (۵۷:۱۱-۱۸) (۳۵:۲۹-۳۰) (۲:۲۷۲) (۳:۱۳۳-۱۳۴) انفاق و صدقہ سے نفس کے ساتھ ساتھ مال کی تطہیر بھی ہوتی ہے (۹:۱۰۳) جذبہ انفاق و صدقہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی تکمیل ہے (۱۳:۱۹ تا ۲۵) اور انفاق فی سبیل اللہ سے دست کشی ہلاکت کے ہم معنی ہے (۲:۱۹۵) (۵۰:۲۴-۲۵) (۶۸:۱۰ تا ۱۲-۱۷ تا ۳۳) (۴۷:۴۲ تا ۴۷) (۳:۱۸۰) (۹۰:۱۲ تا ۱۶) (۹:۳۴-۳۵) اس لئے قرآن حکیم لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے انفاق کر لیں۔ (۱۴:۳۱) (۶۳:۱۰-۱۱) (۶۴:۱۴ تا ۱۶) قرآن حکیم نے ان مدات کا بھی اعلان کیا ہے جن پر صدقات و انفاق کا خرچ کرنا افضل ہے۔ (۴:۳۶-۳۷) (۲:۲۱۵) (۲۴:۲۲) صدقات کو قرآن نے ایک خوبصورت مثال کے ذریعے سورۃ بقرۃ (۲:۲۶۱ تا ۲۶۶) میں بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم صدقات و انفاق میں اخفاء اور پوشیدگی سے کام لینے کو پسند کرتا ہے۔ (۲:۲۷۱)

اسلام تسلیم کرتا ہے کہ فطرتاً انسان بخیل ہے۔ (۴:۱۲۸) اس لئے

انسان نیکی کا مقام ہرگز نہیں پا سکتا جب تک اپنی محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر دے۔ (۹۲:۳)

اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس طرح ہیں:۔

"ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازمی ہے چاہے اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے اگر مزدوری نہ بھی ملے تو اپنا طرز عمل درست رکھے اور برائی سے بچے اس کے حق میں یہ ہی صدقہ قرار پائے گا"

اسلام نے اللہ کی مخلوق سے احسان کو اپنے ساتھ احسان قرار دیا ہے حالانکہ اللہ کی بزرگ و برتر ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کی مخلوق اس پر احسان کرے۔ نیکی و احسان کے اس اچھوتے تصور کو بھی مسلم کی ایک حدیث میں یوں روایت کیا گیا ہے:۔

"خداوند عز و جل قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تو میری عیادت کو نہیں آیا۔ ابن آدم جواب دے گا کہ اے پروردگار میں تیری عیادت کس طرح کر سکتا ہوں تو تو سارے جہانوں کا آقا ہے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ علیل تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھے کھانا کھلانے کو کہا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ میں نے تجھے پانی پلانے کو کہا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا کہ اے سارے جہانوں کے مالک و رب میں تجھے کیونکہ کھلا اور پلا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا اور فلاں نے پانی مانگا تھا اگر تو کھلا پلا دیتا تو اس کھانے اور پانی کو میرے پاس پا لیتا۔"

اسلام کے نظام حکومت میں عدل اجتماعی کی کرنیں

اسلام ہی آئندہ رہتی دنیا تک واحد عالم گیر نظام زندگی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کی طرف ہوئی تھی۔ (۱۰۷:۲۱) (۲۸:۳۴) (۴۰:۳۳) (۳:۵) (۹:۱۷) لیکن اس کے باوجود اسلام دوسروں کو زبردستی ایمان

لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ (۲:۲۵۶)

اسلام میں نظریہ حکمرانی کی بنیاد اس شہادت پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے چنانچہ انسانی زندگی میں حکمرانی صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ انسانی زندگی میں ایک طرف تو اپنی مشیت اور تقدیر کے ذریعے معاملات زندگی کی تدبیر فرما رہا ہے اور دوسری طرف انسانوں کے باہمی تعلقات و روابط، ان کے حقوق اور ذمہ داریوں اور طور طریقوں کی مخصوص تنظیم کے لئے ایک ضابطہ حیات اور شریعت عطا فرما کر کرتا ہے۔ اسلامی نظام کی بناوٹ و تدبیر میں اللہ سبحانہ کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی مشیت و تقدیر میں اور نہ اس کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات اور شریعت میں۔ اگر ایسا ہو تو یہ کفر و شرک ہے۔

اسلام کے نظام حکومت کی بنیاد اول یہ ہے کہ (۱) حکام کی طرف سے عدل ہو (۱۶:۹۰) (۴:۵۸) (۶:۱۵۲) (۵:۸) اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ترین اور سب سے زیادہ قریب مقام پانے والا امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مغضوب اور شدید ترین عذاب میں امام جابر ہو گا" (الشیخان والترمذی)

یہ عدل مطلق کی سچی ترازو ہے کہ بغض و محبت اس کی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوستی و دشمنی اس کے قواعد و ضوابط کو بدل سکتے ہیں اس سے امت اسلامیہ کے سارے افراد یکساں مستفید ہوتے ہیں، نہ تو حسب و نسب کا فرق ان میں تفریق و امتیاز کا باعث بنتے ہیں نہ مال و جاہ۔ اس کے علاوہ دوسری قومیں بھی اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں چاہے ان کے اور اہل ایمان کے درمیان دوستی نہ بھی ہو۔ یہ عدل کے باب میں وہ بلند چوٹی ہے کہ آج تک انسان کا بنایا ہوا کوئی بین الاقوامی قانون اسے چھو سکا ہے اور نہ ہی کوئی ملکی قانون اس کے قریب تک پہنچ سکا ہے۔

اسلام کے پیدا کردہ اس عدل اجتماعی کے نمونے اسلامی تاریخ میں جابجا ملتے ہیں کہ اسلام جو ایک نظریہ، عقیدہ اور تصور کا نام تھا ان روشن شخصیتوں اور تاریخ کے واقعات کی

شکل میں عملی طور پر مجسم ہو کر سامنے آیا۔ اسلام ایک نظریات کا پلندہ نہ تھا نہ ہی ارشادات و مواعظ کا پٹارہ اور نہ ہی تصورات و خیالات کا مجموعہ بلکہ اب اسلام جیتے جاگتے انسانی کردار، عملی دنیا کے حقائق اور ایسے اداروں اور کارناموں کا نام تھا جو آنکھوں سے دیکھے جا سکتے تھے اور جنہوں نے عملی زندگی اور تاریخ انسانی پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جیسے کوئی نئی روح تھی جس نے ان شخصیتوں میں پڑ کر ان کے اندر انقلاب برپا کر دیا ہو۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں جن سے اس مثالی اسلامی معاشرے میں اجتماعی عدل کی صورت حال سامنے آئے گی :

(۱) حضرت عمرؓ بن خطاب خلیفۃ المسلمین پانی کا مشکیزہ بھر کر خود لا رہے ہیں، ان کے صاحبزادے نے دیکھ کر ناپسندیدگی کے لہجے میں ان سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے جواب دیا "بس میرا نفس غرور و خود پسندی میں مبتلا ہو گیا تھا میں نے چاہا کہ اسے ذلیل کروں"۔ بیداری احساس ملاحظہ ہو اس مومن شخص کے دل کے کسی گوشے میں خلافت، فتوحات اور آئندہ آنے والی عزت و عظمت پر تھوڑی سی خود پسندی پیدا ہوئی تو انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ خود پسندی قائم رہے اور پروان چڑھے چنانچہ فوراً نفس کو ذلیل کرنے نکل کھڑے ہوئے اور وہ بھی سب کے سامنے۔ اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کی کہ وہ اتنی بڑی سرزمین کے مالک و مختار خلیفہ ہیں جس میں عرب کے علاوہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا بیشتر علاقہ بھی شامل تھا۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ جو قریش کے ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید کے ساتھ کر دی تھی دوسری طرف امریکہ میں آج غلامی قانوناً ممنوع ہے لیکن کسی نیگرو کے لئے کسی گوری کے ساتھ شادی کرنا ناممکن ہے۔ نیگرو کا پبلک بس اور سواریوں میں گوروں کے پہلو میں بیٹھنا یا ان کے ریستورانوں اور تھیٹروں میں جانا یا کسی ہوٹل یا سرائے میں ٹھہرنا آج تک ناممکن ہے۔ اس سے بڑھ کر گرجا گھروں میں عبادات کے لئے بھی گوروں اور کالوں کے الگ الگ گرجا گھر مخصوص ہیں۔ امریکہ کے صدور، نائب صدور اور وزراء میں سے کتنے کالے ہم گن سکتے ہیں، سپریم کورٹ کے کتنے جج کالے ہیں، یہ حال

اس قوم کا ہے جو اخلاقیات اور جدید تہذیب کی علمبردار سمجھی جاتی ہے۔ گورے انگریز کو ہی دیکھ لیں اس کے دماغ سے ابھی تک یہ بات نہیں نکلی کہ ایک وقت تمام دنیا میں اس کی حکومت تھی، زمانے کے مکافات نے اس قوم کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے لیکن اب بھی وہ گوروں کے علاوہ کسی کو انسان تک سمجھنے کی روادار نہیں۔

ابھی مئی ۱۹۹۲ء کے پہلے ہفتے میں امریکہ جو اپنے کو ساری دنیا میں اخلاقیات کا واحد ٹھیکیدار سمجھ رہا ہے، ایک کالے کی پانچ گورے پولیس افسروں کے ہاتھوں بالکل ناجائز پٹائی کے مقدمے میں گوری عدالت اور گوری جیوری کے ہاتھوں گورے افسروں کی بالکل ناجائز بریت کی بات بالکل تازہ ہے۔ حالانکہ کالے کی بیوی نے اپنی گاڑی میں سے واقعہ کی مکمل فلم بنا کر عدالت میں پیش کی جس میں ظاہر ہے کہ جس طرح ان افسروں نے کالے شہری کی پٹائی کی اور جس طرح آزادانہ ٹھڈے اور ہنٹر استعمال کئے انہیں دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کیا کوئی انسان دوسرے انسان سے ایسا سلوک کر سکتا ہے جس کا ظاہری قصور یہ ہی ہے کہ وہ کالا ہے۔ اس ناجائز اور غیر عادلانہ فیصلے کے بعد امریکہ کے ثقافتی مرکز لاس اینجلیس (Los Angles) میں جس طرح لوٹ مار اور قتل و غارت ہوئی اور جس طرح کروڑوں ڈالر کی املاک کے علاوہ جانیں ضائع ہوئیں (اور کویت عراق کی جنگ میں کمائی گئی تمام دولت پلک جھپکنے میں بمع سود نکل گئی) اس نے پھر یہ بات ثابت کی کہ معاشرے میں فلاح و سکون کے لئے عدل اجتماعی نہایت ضروری ہے نہیں تو فساد ہی فساد ہے۔

(۳) حضرت یونس بن عبید کے پاس مختلف داموں کے کپڑے تھے۔ کپڑوں کے ایک جوڑے کی ہر قسم کی قیمت چار سو درہم تھی اور اسی طرح کا جوڑا ایک اور قسم میں دو سو درہم فی جوڑا تھا۔ کسی کام سے گئے تو دکان پر اپنے بھتیجے کو بٹھا گئے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور اس نے چار سو دہم کا جوڑا مانگا۔ بھتیجے صاحب نے دو سو درہم والا جوڑا دکھایا جو اعرابی کو پسند آیا اور وہ چار سو درہم میں لے کر چلا گیا۔ وہ کپڑا ہاتھ میں لئے جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت یونس بن عبید سے سامنا ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا کتنے میں لیا ہے۔ اس

نے کہا چار سو درہم میں۔ فرمایا یہ تو دو سو درہم کا ہے، لوٹ جاؤ اور واپس کر دو۔ اعرابی نے جواب دیا۔ یہ جوڑا ہمارے ملک میں پانچ سو درہم کا ملتا ہے، میں نے راضی خوشی خریدا ہے۔ حضرت یونس بن عبید نے کہا۔ واپس چلو کہ دین کی راہ میں خیر خواہی دنیا جہاں کی دولت سے بہتر ہے، اسے اپنی دکان پر واپس لے گئے اور دو سو درہم واپس دلوائے۔ پھر اپنے بھتیجے سے کہنے لگے تجھے شرم نہ آئی اور خدا کا خوف لاحق نہ ہوا، صدفی صدہ منافع لیتا ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ بھتیجا قسمیں کھانے لگا کہ میں نے دھوکا نہیں دیا۔ خریدار اسے ہنسی خوشی سے لے کر گیا ہے۔ فرمایا "جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی تو نے اس کے لئے پسند کیوں نہ کیا؟" اس واقعہ میں شاہ کلید حضرت یونس بن عبید کے دو فقرے ہیں "تجھے شرم نہ آئی اور خدا کا خوف لاحق نہ ہوا" اور "جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی تو نے مسلمانوں کے لئے کیوں نہ پسند کیا" بے شک اس واقعہ کا محرک اور اصل قوت ضمیر کے آگے شرمساری اور خدا سے ڈرنا ہے۔ جب نفس انسانی اسلامی اسپرٹ کو اپنا لیتا ہے اور یہ روح اس کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے تو اسلام اس کے اندر پوری قوت کے ساتھ یہ اسپرٹ پیدا کر دیتا ہے۔

(۴) ہجرت کے موقع پر مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کروائی تو ان کا آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ اور حضرت حمزہؓ بھائی بھائی قرار پائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خارجہؓ ابن زید بھائی بھائی قرار دیئے گئے اور خالدؓ ابن رویحہ خشعمی اور حضرت بلالؓ بن رباح کے درمیان مواخاۃ کروائی اور یہ بھائی چارہ اور مواخاۃ محض الفاظ ہی تک محدود نہ رہی بلکہ زندگی کا ایک پختہ رشتہ بن گیا جو خونی رشتہ کی طرح بن گیا۔ جان ومال اور زندگی کے تمام معاملات میں ان کے درمیان قرابت داری پیدا ہو گئی۔

(۵) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں حضرت زیدؓ کو اسلامی فوج کا کمانڈر بنایا تو ان کے زیر کمان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابہ تھے۔

(۶) جیش اسامہؓ جس کی روانگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں طے کر چکے تھے لیکن آپؐ کی وفات کی وجہ سے روانگی ملتوی ہو گئی اور بعد میں حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں ہوئی۔ حضرت اسامہؓ بن زید گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۃ المومنین ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ نے تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم ہرگز نہ اترنا، خدا کی قسم ہرگز نہ اترنا، خدا کی قسم ہرگز نہ اترنا، میں راہ خدا میں اگر کچھ دیر اپنے پاؤں گرد آلود کر لوں تو میرا کیا بگڑے گا۔" حضرت عمر فاروقؓ بھی اس لشکر میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ امور خلافت میں شوریٰ کے لئے حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت اسامہؓ بن زید سے درخواست کی "اگر مناسب سمجھو اور اجازت دو تو حضرت عمر فاروقؓ کو میری مدد کے لئے چھوڑ جاؤ۔"

(۷) وہ واقعہ کہ حضرت عمر فاروقؓ ملاقات کے لئے دو غریب موالی حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ حبشی کو پہلے بلا لیتے ہیں اور عمرو بن حارث بن ہشام کا بیٹا سہیل، ابو سفیان اور چند اکابر قریش انتظار کرتے رہ جاتے ہیں کیونکہ حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ اصحاب بدر میں شامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔

(۸) حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں حضرت ابن ابزیٰ کو مکہ کا قائم مقام گورنر مقرر کیا گیا۔ اگرچہ وہ غلام رہ چکے تھے لیکن ان کا درجہ فضیلت یہ تھا کہ وہ کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے عالم اور قاضی تھے۔

(۹) حضرت عمر فاروقؓ نے حج کے موقع پر اپنے گورنر سے ایک مسلمان کو کوڑوں کا قصاص دلوایا اور ارشاد فرمایا

> "لوگو! میں ان اعمال کو اس لئے مقرر کرتا ہوں کہ راست روی سے تمہاری سرپرستی اور نگرانی کا فرض انجام دیں، میں نے انہیں ہرگز اس لئے مقرر نہیں کیا کہ تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کریں۔ لہٰذا تمہیں کسی عامل کے خلاف شکایت ہو تو کھڑے ہو جاؤ میں ابھی اسی وقت

تمہارا بدلہ لوں گا"۔

(۱۰) حضرت عمر فاروقؓ نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا

"اگر میرے اندر کوئی کجی دیکھو تو اے لوگو! تم مجھے ضرور سیدھا کر دینا"۔

عامتہ المسلمین میں سے ایک فرد بولا "ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا "اے اللہ تیرا شکر ہے جس نے عمر کی رعایا میں ایسے افراد پیدا کئے ہیں جو اسے اپنی تلواروں کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔"

(۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہ اور ان کے گھر والے ایک روز کھانا کھانے بیٹھے تو ستو کی تین روٹیوں کے سوا کچھ نہ تھا جو انہوں نے ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی پر صدقہ کر دیں۔ یہ تینوں تو شکم سیر ہو گئے لیکن حضرت علی اور ان کا اہل خاندان پانی ہی پی کر سو گئے۔

(۱۲) حضرت حسینؓ ابن علی پر قرض کا بار قحط بڑھ گیا۔ ابی نیزر کا چشمہ آپ کی ملکیت تھا لیکن اسے اس لئے فروخت نہ کرتے تھے کہ غریب مسلمان اس سے سینچائی کا کام لیتے تھے۔ کیا عدل اجتماعی نہیں ہے کہ چشمہ غریبوں کے کام آئے اور آپؐ بنوہاشم کے اعلیٰ ترین خاندان کے چشم و چراغ اور نواسہ رسولؐ ہوتے ہوئے قرض خواہوں سے معذرتیں کرتے رہیں۔

(۱۳) انصار مدینہ کی تعریف میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"جو کچھ مہاجرین کو دیا جائے اس پر لوگ اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اور انہیں اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود فاقہ کشی میں مبتلا ہوں (الحشر ۹:۵۹)

(۱۴) یہ باہمی کفالت جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم و کرم پر ہی نہیں چھوڑی گئی بلکہ خلافت راشدہ اس کے نفاذ اور اسے عملی جامہ

پہنانے کے لئے اہتمام کرتی تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے بیت المال سے دودھ چھڑائے بچوں، بوڑھوں، بیماروں، بیواؤں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے اور یہ زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ تھے یعنی ایک سماجی تحفظ (Social Security) کا اعلیٰ نظام تھا۔ حضرت عمر فاروق نے قحط (عام الرمادہ) میں چوری کی سزا معطل کر دی تھی اس اجتماعی تکافل کا عملی مظاہرہ ایک واقعہ ہے جو اس طرح ہے کہ

"حضرت ابن حاطب بن ابی بلتعہ کے چند غلاموں نے مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چرالی۔ انہیں حضرت عمر فاروق ؓ کی عدالت میں لایا گیا انہوں نے اعتراف کر لیا تو حضرت عمر ؓ نے حضرت کثیر بن الصلت کو ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ وہ چلے تو روک لیا اور فرمایا "خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم اپنے غلاموں پر ظلم کرتے، ان سے خوب کام لیتے ہو مگر انہیں بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ وہ بے چارے اس حال پر آجاتے ہیں کہ حرام کھالیں تو بھی قابل سزا نہیں ہیں تو میں ضرور ان کے ہاتھ کٹوا دیتا" پھر ان غلاموں کے مالک عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کو مخاطب کر کے فرمایا "میں نے قطع ید کی سزا یوں ہی موقوف نہیں کر دی۔ خدا کی قسم میں تیرے اوپر ایسا تاوان لاگو کروں گا کہ تو چیخ اٹھے گا" مالک اونٹنی نے اپنی اونٹنی کا دام چار سو درہم مانگے تو حضرت عمر ؓ نے مالک کو عبدالرحمٰن بن حاطب سے بمع تاوان آٹھ سو درہم دلوائے اور غلاموں کو قطع ید سے محفوظ رکھا کہ ان کے آقا نے انہیں بھوکا رکھ کر چوری پر مجبور کیا اور وہ سد رمق کے مستحق ہیں۔

یہ اس شخص کا عدل اجتماعی اور فہم اسلام تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ سے دعا کر کے مسلمان کروایا تھا اور کہا تھا کہ اگر میرے بعد نبی آنا ہوتا تو عمر اللہ کا نبی ہوتا۔

(۱۵) حضرت عمر نے ایک بوڑھے نابینا کو دروازوں پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہودی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے

اس حال پر پہنچایا ہے، اس نے جواب دیا "جزیہ۔ ضرورت اور بڑھاپا"۔ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی اس وقت کی ضرورت کے لئے کافی تھا۔ پھر امیر بیت المال کو لکھا کہ ایسے افراد کی طرف توجہ دو۔ خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم ان کی جوانی کی کمائی کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں دھتکار دیں۔ زکوٰۃ فقر اور مساکین کے لئے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہیں۔ آپ نے اس یہودی اور اس کی طرح کے دیگر افراد کو جزیہ سے بری قرار دیا۔

حضرت عمرؓ نے اس طرح سماجی تحفظ کو ایک انسانی حق قرار دے دیا جو کسی مخصوص مذہب یا فرقہ کے ساتھ مشروط نہ تھا بلکہ ریاست ہر ایک کی محافظ تھی۔

آخر میں ہم حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اولین خطبہ خلافت اور ان کے طرز حکمرانی کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا:۔

"اگر میں فرائض خوش اسلوبی سے انجام دوں تو میری مدد کرنا اور کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہے وہی میرے نزدیک طاقت ور ہے تا آنکہ میں اس کا حق اسے پہنچا دوں انشا اللہ۔ اور جو طاقت ور ہے وہی میرے نزدیک کمزور شمار ہو گا تا آنکہ میں اس سے حق وصول کر لوں۔ انشا اللہ ——— جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم لوگ میری اطاعت کرتے رہنا لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کروں تو تم پر بھی میری اطاعت کی ذمہ داری نہیں ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ رعایا کے ہر شخص کی ضروریات کے بارے میں خود اپنے کو جواب دہ اور ذمہ دار سمجھتے تھے۔ زمانہ قبل از خلافت میں اپنے ضعیف و بے سہارا ہمسایوں کی بکریاں تک دھو دیا کرتے تھے۔ جب آپ

نے منصب خلافت سنبھالا تو ایک نادار لڑکی نے آپ سے سوال کیا کہ اب تم امیر المومنین ہو گئے ہو اب ہماری بکریاں نہ دوہا کرو گے تو آپ نے جواب دیا "کیوں نہیں، میری جان کی قسم یہ اب بھی میری ذمہ داری ہے"

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ ایک اندھی بڑھیا کی خبر گیری کیا کرتے تھے پھر ایسا ہونے لگا کہ آپ جب پہنچتے تو دیکھتے کہ بڑھیا کا کام ہو گیا ہے۔ ایک دن چھپ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ بڑھیا کا کام کر جاتے ہیں، خلافت اور اس کی ذمہ داریاں بھی آپ کو اس کام سے نہ روک سکیں۔ حضرت عمر فاروقؓ بے اختیار پکار اٹھے "آپ ہی ہیں، میری جان کی قسم آپ ہی ہیں، آپ کے سوا بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا:۔

"اے لوگو! میں تم ہی میں سے ایک آدمی ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں اگر خلیفة المومنین کا حکم ٹھکرانا ناپسند نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے معاملات کی ذمہ داری قبول نہ کرتا"

اپنے دوسرے خطبے میں فرمایا "میرے اوپر تمہارے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا میں ذکر کرتا ہوں، تم مجھ سے ان کا مواخذہ کرتے رہنا، میری ذمہ داری ہے کہ تمہارے خراج اور فئے کو ضابطے کے مطابق وصول کروں اور جو مال میرے پاس آئے وہ حق کے مطابق صرف ہو، میری ذمہ داری ہے کہ تمہیں ہلاکت کے منہ میں نہ ڈالوں اور زیادہ عرصہ سرحدوں پر تعینات نہ رکھوں اور جب تم جنگ کے سلسلے میں گھر سے دور ہو تو میں تمہارے گھر والوں کا سرپرست بن کر رہوں"

آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے بیت المال کے مال کو اپنے لئے مال یتیم کی حیثیت دے رکھی ہے"

آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے مسلمانوں کے کہنے پر آپ کو پیغام پہنچایا کہ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں فراخی دی ہے تو آپ کیونکہ اپنی ذات اور اپنے بچوں پر بے جا تشدد کرتے ہیں۔ جواب میں اپنی بیٹی سے فرمایا "اے عمر کی بیٹی حفصہؓ! تو نے اپنی قوم کا

ساتھ دیا مگر اپنے باپ کے ساتھ بدخواہی کی، میرے گھر والوں کا میرے جان و مال پر حق ہے مگر دین و امانت پر نہیں ہے۔ تو امیر المومنین ہے کیا تو رسول اللہؐ کی کسمپرسی اور غربت بھول گئی ہے" اس طرح رسول اللہؐ کے حالات کو بیان کیا کہ خود بھی خوب روئے اور حضرت حفصہؓ کو بھی رلا دیا۔ جب عام الرمادہ کا مشہور قحط پڑا تو آپ نے قسم کھالی کہ جب تک لوگ بحال نہ ہو جائیں گھی اور گوشت زبان پر نہ رکھیں گے۔ آپ نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ زیتون کا پھل کھاتے کھاتے بدن کی کھال سوکھ کر سیاہ ہو گئی۔ فرمایا کرتے تھے "مجھے اسراف کر کے کھانا پسند نہیں ہے جو کچھ رعایا پر گزرتی ہے وہی اگر مجھ پر نہ گزرے تو مجھے ان کے مسائل کا احساس کیونکر ہو گا۔" زیتون ہی خوراک بنالی۔ کبھی کچے کھالئے کبھی بھون کر کھالئے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے پیٹ سے کٹر کٹر کی آوازیں آتی تھیں تو شکم پر ہاتھ پھیر کر کہتے تھے چاہے چپ رہ یا شور کر جب تک ایک ایک مسلمان گھرانہ پیٹ بھر کر نہ کھائے گا تجھے یہ ہی ملے گا بہتر ہے کہ اس ہی پر صبر کرلے۔"

مدینہ کے ارد گرد قحط زدہ اہل ایمان کا ہزاروں کی تعداد میں پڑاؤ تھا جن تک اناج کی رسائی کی بذات خود نگرانی کرتے تھے بلکہ پیٹھ پر بذات خود لاد کر پہنچاتے تھے۔ کیا ایسی مثال انسانی تاریخ میں کوئی اور ہے؟

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی ذات کے لئے بیت المال سے جو وظیفہ بطور خلیفۃ المومنین مقرر کیا وہ یہ تھا "دو کپڑے ایک سردی کا اور ایک گرمی کا، حج اور عمرہ کے لئے سواری، گھر والوں کی خوراک کے لئے قریش کے متوسط طبقہ کا خرچہ، اس کے بعد جو کچھ عام مسلمانوں کو بیت المال سے ملتا ہے وہی آپ بھی لیتے تھے کوئی امتیاز نہ تھا"

یہ بات اسلام کے اصول حکمرانی کا ایک اہم جزو ہے کہ امام غیر عادل اطاعت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے فیصلوں میں انصاف نہیں کرتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص سے گھوڑے کا بھاؤ کیا اور پھر گھوڑے کو آزما کر دیکھنے کے لئے اس پر سواری کرنے لگے۔ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور زخمی ہو گیا۔ آپ نے چاہا کہ اسے مالک کو واپس کر دیں لیکن وہ واپس لینے سے انکاری ہو گیا۔ دونوں مقدمہ لے کر قاضی شریح کی عدالت میں

گئے۔ انہوں نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد کہا "امیر المومنین! جو چیز آپ نے خریدی تھی اسے لے لیجئے ورنہ اسی حال میں جس میں لیا تھا اسے لوٹا دیجئے۔ حضرت عمرؓ بولے "ماشاءاللہ! اسے انصاف و عدل کہتے ہیں" پھر آپ نے قاضی شریح کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بدلے کوفہ کا قاضی بنا دیا۔

آپ کے عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ اپنے بیٹے عبدالرحمن پر شراب کی حد جاری کر دی۔ عمروؓ بن العاص کے بیٹے سے ایک مصری کو قصاص دلوا ڈالا۔ آپ کی پالیسی تھی کہ عمال حکومت اس اضافے کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ ہے جو ان کے اموال میں منصب میں آنے کے بعد ہوا ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ جن کو عامل بنا کر بھیجتے تھے ان سے خطاب کرتے تھے کہ "میں تم لوگوں کو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے عامل مقرر نہیں کر رہا کہ تم ان کے بالوں اور کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو، لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو۔"

حضرت عثمان غنیؓ نے بیعت کے بعد جو اولین خطبہ دیا اس میں فرمایا "سنو لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں نئی راہیں نکالنے والا نہیں ہوں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کے بعد تین چیزوں کی پابندی کا میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایک یہ کہ میری خلافت سے پہلے تم نے باہمی اتفاق سے جو قاعدے اور طریقے مقرر کئے ہیں ان کی پیروی کروں گا دوسرے یہ کہ جن معاملات میں کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوا ہے ان میں سب کے مشورے سے اہل خیر کا طریقہ مقرر کروں گا، تیسرے یہ کہ تم سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں گا جب تک کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا قانون کی رو سے واجب نہ ہو جائے۔"

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کا زمانہ خلافت میں یہ حال تھا کہ آپ کی بیوی اپنے ہاتھ سے جو پیستی تھیں وہی آپؓ کی خوراک تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کپڑے یا دیگر ضروری اشیاء خریدنے کے لئے آپؓ کو اپنی تلوار تک فروخت کرنی پڑ گئی۔ عقبہ بن علقمہ کی روایت ہے کہ ایک بار میں حضرت علیؓ سے ملنے گیا تو کھٹا دودھ جس کی بو سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی

اور سوکھی روٹی کھا رہے تھے۔ میں نے کہا! اے امیرالمومنین کیا آپ ایسی چیزیں کھاتے ہیں تو فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ روکھا سوکھا کھاتے تھے اور اس سے موٹا پہنتے تھے اگر میں اس روش پر نہ چلوں تو ڈرتا ہوں کہ ان کا ساتھ نصیب نہ ہو گا"

اسی طرح ہارون ابن عنترہ نے اپنے باپ سے آپ کے بارے میں روایت کی ہے میں خورنق میں علیؓ کے پاس (کوفہ میں) گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور ان کے بدن پر بس ایک پھٹا پرانا قطیفہ تھا جس میں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ یہ وہی قطیفہ تھا جو وہ اپنے ساتھ مدینہ سے لائے تھے بیت المال پر کسی ناجائز بار کے روادار نہ تھے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ جانتے تھے کہ حاکم نمونہ ہوتا ہے اور اس پر شک کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ عام رعایا اور اپنے والیوں کے لئے احتیاط اور پرہیز گاری کا نمونہ بننا چاہتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے اولین خطبے میں فرمایا

"لوگو! سن لو کہ تم ہی میں سے ایک ہوں۔ جو حقوق تمہارے لئے ہیں وہ ہی میرے لئے ہیں اور جو ذمہ داریاں تم پر عائد ہوتی ہیں وہی میرے پر ہوتی ہیں۔ میں تمہیں رسول اللہؐ کے طریقے پر چلاؤں گا اور جن باتوں کے نفاذ کا تم کو حکم دیا گیا ہے انہیں ہی نافذ کروں گا، کوئی کمی زیادتی نہ کروں گا ______ آگاہ رہو کہ جس شخص نے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہا، ہماری ملت کی تصدیق کی، ہمارے دین میں داخل ہوا اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا وہ اسلام کے دیئے ہوئے حقوق کا مستحق اور اس کی مقرر کردہ حدود کا پابند ہو گیا۔ تم سب اللہ کے بندے ہو اور یہ مال اللہ کا مال ہے۔ یہ تمہارے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا اس سلسلہ میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے متقی لوگوں کے لئے اللہ کے پاس بہترین جزا ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اولین خطبے میں فرمایا۔

"لوگو! مجھے اس ذمہ داری کی آزمائش میں میری رائے لئے بغیر بلا طلب اور بغیر مسلمانوں سے مشورہ کئے مبتلا کیا گیا ہے، میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردنوں پر پڑا ہے اسے

میں خود الگ کرتا ہوں تم کسی دوسرے کا انتخاب کرنے میں آزاد ہو" لوگ پکار اٹھے "امیر المومنین! ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں آپ کی امارت پر ہم سب راضی ہیں اللہ آپ کو امارت مبارک کرے آپ ہی صاحب امر رہیں اس طرح آپ نے امارت کے معاملے میں اصل طریقہ کو پھر سے رائج کر دیا کیونکہ بغیر مشورہ اور رضامندی کے امارت نہیں ہو سکی۔

"لوگو! مجھ سے پہلے کچھ حکمران ایسے گزرے ہیں جن کی محبت کو تم نے صرف اس لئے بٹھایا کہ اس ظلم کو رفع کر سکو جو بصورت دیگر وہ تم پر کرتے۔ آگاہ رہو کہ جب خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے جس حاکم نے خود خدا کی اطاعت کی اس کی اطاعت تم پر واجب ہو گئی مگر جس حاکم نے اللہ کی اطاعت نہیں کی اس کی اطاعت تم پر واجب نہیں۔ لہٰذا جب تک میں تمہارے معاملات میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرو مگر جب میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔"

یہ ایک خلاصہ ہے اس عدل اجتماعی کا جو اسلام نے پیش کیا اور عملی طور پر اس کو معاشرے میں نافذ کر کے دکھایا کہ فساد و ظلم کہیں نظر نہ آتا تھا گویا جنت زمین پر اتر آئی ہو کہ ہر طرف ایک معاشرتی فلاح کا دور دورہ تھا۔ جب کبھی بھی اس عدل اجتماعی کو کسی بھی معاشرے میں رائج کیا جائے گا گویا یہ دنیا جنت ارضی کا نمونہ بن جائے گی۔ کاش ہم مسلمانوں کو یہ توفیق مل جائے کہ جس پیغمبر زمان کی امت ہونے کے دعوے دار ہیں اس کے لائے ہوئے احکام خداوندی پر عمل کر کے اپنے لئے اور نوع انسانی کے لئے دنیوی و اخروی فلاح اور کامیابی سمیٹ لیں۔ کاش ایسا ہو جائے۔

آخر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی مانگی ہوئی دعا میں اپنے لئے مانگتا ہوں کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ ۲ : ۱۲۷)

اے ہمارے رب! ہم سے اس خدمت کو قبول فرما، بے شک، آپ سب کی سننے والے اور ہر بات جاننے والے ہیں۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبد السلام پرنٹر اور پبلشر

عدل (قسط و انصاف) قرآن حکیم کی ایک بنیادی اصطلاح ہے اور اہلِ ایمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ اعتدال اسی سے نکلا ہے، یعنی دونوں اطراف کا برابر کرنا، افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنا، حق داروں کو اُن کا حق ٹھیک ٹھیک اور پُورا پُورا پہنچا دینا اور ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب برقرار رکھنا عدل ہے۔

لاہور - راولپنڈی - کراچی

969 0 01024 7

Rs. 150.00